سنت و بدعت

مکتبہ خلیل

[illegible]

سنّت و بدعت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار ○ لاہور

Rs/- 20

فہرست مضامین

صفحہ

پیش لفظ

مقدمہ

ایک اتفاقی حادثہ ۳
ایک دردمندانہ گذارش ۵
بدعت کیا چیز ہے، اور اسمیں کیا خرابی ہے ۷
بدعت تحریفِ دین کا راستہ ہے۔ ۱۲
بدعت حسنہ اور سیئہ ۱۴
بدعت کی مذمت قرآن وحدیث میں ۱۶
بدعت صوفیائے کرام کی نظر میں ۲۳
امام طریقت حضرت فضیل بن عیاضؒ ۲۴
حضرت ابراہیم بن ادہمؒ ۲۴
حضرت ذوالنونِ مصریؒ ۲۵
حضرت بشرِ حافیؒ ۲۶
حضرت ابوبکر ترمذیؒ ۲۷
حضرت ابویزید بسطامیؒ ۲۹
حضرت سہیل تستریؒ ۳۱
حضرت جنید بغدادیؒ ۳۲
حضرت ابوعثمان حیریؒ ۲۴

صفحہ

حضرت ابوالحسین نوریؒ ۳۵
حضرت شاہ کرمانیؒ ۳۵
حضرت ابوسعید خرازؒ ۳۶
حضرت ابوالعباس ابن عطاؒ ۳۶
حضرت ابراہیم خواصؒ ۳۶
حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ ۳۷
حضرت ابواسحاق رقاشیؒ ۳۷
حضرت ممشاد دینوریؒ ۳۸
حضرت ابوعلی روزباریؒ ۳۸
بدعات مروّجہ ۳۹
صلوٰۃ وسلام کا مروّجہ طریقہ ۴۰
ہمدردانہ مشورہ ۴۸
حیلہ اسقاط یا دُور ۴۹
مسائل فدیہ نماز وروزہ وغیرہ ۵۶
سایۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۵۸
مزارات اولیاء اللہ کی شرعی حیثیت ۶۲
(مستقل رسالہ)

پیش لفظ

بدعت کا طوفان اس وقت جس زور و شور سے اٹھا ہے اس نے علمائے اہل قلم کو ایک بار پھر اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ شومئی قسمت سے یہ طوفان عین اس وقت اٹھا جب کہ مسلمانانِ پاکستان پر عیسائیت، کمیونزم، قادیانیت اور انکار حدیث کے فتنوں کی ہر طرف سے یلغار ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اتحاد کی جتنی ضرورت اسوقت ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی ہو، لیکن عین اسی وقت بدعات کا ہمہ گیر طوفان بھی پورے زور و شور سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

علمائے حق کی فکری قوتیں اور زورِ قلم جو عیسائیت، کمیونزم، قادیانیت اور انکارِ حدیث کے مقابلہ میں مشغول تھا وہ مجبوراً اپنے اصل میدان سے ہٹ کر داخلی انتشار کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ یہ ایسا المیہ ہے کہ اس پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔

یہ رسالہ "سنت و بدعت" درحقیقت کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ ردِ بدعات پر حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہم کے متفرق مضامین اور رسائل کا مجموعہ ہے، ان میں سے بعض علیحدہ علیحدہ مختلف صورتوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ قارئین کی سہولت اور وقت کی ضرورت کے پیش نظر احقر نے اسے یکجا کتابی شکل میں مرتب کیا ہے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔

ضرورت ہے کہ اسے بکثرت تقسیم کیا جائے تاکہ جو لوگ ناواقفیت سے بدعت کی تاریکیوں میں سرگرداں ہیں انہیں سنت کی مشعل راہ میسر ہو سکے۔ واللہ المستعان

مُقدمہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق آخر زمانہ میں فتنوں کی کثرت ہونے والی تھی وہ ہوئی اور ہوتی چلی گئی۔ ہم جیسے ضعیف القوۃ، ضعیف الہمۃ، ضعیف الایمان لوگوں کی نوبت اس دور میں آئی جب کہ پوری دنیا کو فتنوں نے گھیر لیا ہے۔ روز و شب نئے نئے فتنوں کی بارش ہے

لیکن جیسے فتنوں کا زمانہ مشکلات کا خارزار ہے ویسے ہی اس زمانہ میں صحیح طریق سنت پر قائم رہنے اور دوسروں کو قائم رکھنے کے فضائل بھی بے حد و بے قیاس ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

العبادۃ فی الھرج کھجرۃ الی — فتنہ کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسا ہے
رواہ مسلم (مشکوٰۃ) — جیسے کوئی ہجرت کرکے میرے پاس آجائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص فساد امت کے زمانہ میں میری سنت کو زندہ کرے اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں سنت کے مطابق نیک

عمل کرنے والے کا ثواب پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ اور وہ پچاس بھی آج کے نہیں بلکہ صحابہ کرام میں سے پچاس آدمی۔

اور جس وقت بدعات و منکرات دنیا میں پھیل جائیں اس وقت کے اہل علم کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کو اس وقت اپنے علم کا اظہار کرنا چاہیے اور جو ایسا نہ کرے اس پر سخت وعید فرمائی ہے۔
(کما اخرجہ الآجری فی کتاب السنۃ عن معاذ بن جبلؓ وسیاتی تمامہ)
چنانچہ ہر زمانہ ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں فتنوں کے طوفان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کے صحیح طریقہ کو روشن کیا اور بدعات و محدثات کی تلبیس کو دُور کیا۔

لیکن آج کل جن فتنوں کا طوفان ہے۔ ان میں ایک طرف لادینی، انکارِ خدا، انکار رسالتؐ، انکارِ حدیث، انکارِ ختم نبوت کے وہ فتنے ہیں۔ جن کی ضرب براہِ راست اسلام کی بنیادوں پر پڑتی ہے۔ اس ناکارہ نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے دینی تعلیم و تبلیغ فتویٰ اور تصنیف و تالیف کے مثبت کام کے ساتھ جو کچھ کام ہو سکا وہ انہیں فتنوں کے مقابلہ میں کیا جو اعتقادی بدعات ہیں عملی بدعات و محدثات کے سلسلے میں اب تک کوئی خاص کام نہیں ہو سکا۔ حال میں ایک محترم دوست نے اپنے ماہنامہ کے لیے بدعات کی تعریف اور اس کی خرابیوں پر مشتمل ایک مقالہ لکھنے کے لیے مجھے فرمایا اور خلاف عادت کچھ ایسے اصرار سے فرمایا کہ اپنی بے شمار ذمہ داریوں مصروفیوں اور اس پر طبعی ضعف کے باوجود وعدہ کر لینے کے سوا چارہ نہ رہا۔ کچھ لکھنا شروع بھی کیا، لیکن صبح سے رات کے بارہ بجے تک تمام اوقات مشغول۔ وقت کہاں سے لاؤں۔

ایک اتفاقی حادثہ

مگر بحکم قضا و قدر ۲۳، رجب ۱۳۷۶ھ ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء میں دوپہر کے کھانے کے ساتھ ہڈی کا ایک نوکیلا ریزہ حلق میں اتر گیا اور احساس اس وقت ہوا جب وہ کافی نیچے پہنچ کر حلق میں پھنس گیا۔ جوں جوں اُسے نیچے اتارنے کی تدبیریں کیں وہ اور حلق کے گوشت میں پیوست ہوتا چلا گیا۔

یہی وہ منزل ہے جہاں انسان کے سارے عزائم، پروگرام اور مشاغل ایک منٹ میں ختم ہو جاتے ہیں۔

کراچی میں حلق کے اسپیشلسٹ ماہر ڈاکٹر شفیع الدین خاں صاحب نے خصوصی عنایت و توجہ سے ایکسرے کے بعد جب ہڈی کو حلق میں پیوست دیکھا تو بے ہوش کر کے بغیر اپریشن کے نکال لیا۔

حق تعالیٰ نے دوسری زندگی عطا فرمائی تو پچھلی زندگی کی بربادی پر افسوس اور نئی زندگی کو ٹھکانے لگانے کی ملی جلی فکریں دل و دماغ پر چھائی ہوئی۔ ادھر دل و دماغ حادثہ کے اثر سے دکھے ہوئے کسی کام پر اقدام کی اجازت نہیں دیتے۔ ڈاکٹروں اور دوستوں کی بھی یہ تاکید کہ چند روز آرام کیا جائے۔ تجویز یہ ہوئی کہ دارالعلوم کراچی کی جدید عمارت جو شہر سے دس بارہ میل دور شرافی گوٹھ میں بنی ہے چند روز وہاں رہا جائے۔

بالآخر اتوار ۳۰ شعبان ۱۳۷۶ھ کو یہاں آ گیا۔ یہاں کی صحت بخش آب و ہوا اور کھلی فضا کو حق تعالیٰ نے اس نئی زندگی کی غذا بنا دیا اور اب اس فرصت میں طبیعت کچھ کام تلاش کرنے لگی۔ بدعت و سنت کا یہ مقالہ جو زیر تحریر تھا اور اسی طرح ایک دو اور ضروری مضامین جو زیر تحریر تھے ان

کی تکمیل کا خیال آیا بنام خدا تعالیٰ شروع کیا تو دو روز میں بعونہ تعالیٰ یہ زیر نظر رسالہ تیار ہو گیا۔

اس پوری داستان کو سامنے رکھ کر جب ذرا بھی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو انسانی عزم و ارادہ اور اس کے سعی و عمل اور اس میں کامیابی و ناکامی کی پوری حقیقفت محسوس ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں کچھ اپنا نہیں ہے ہر حرکت ہر سکون ہر عمل ہر سعی اسی رب العالمین کا کرم ہی کرم ہے۔ انسان کے ہاتھ پاؤں کو اس میں مشغول کر کے اس کے برائے نام کسب و اختیار کے نام پر اس کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔

(فللہ الحمد اولہ واخرہٗ)

ایک دردمندانہ گزارش

بدعت و سُنّت کی جنگ میں ایک لمحۂ فکریہ

بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں از روئے قرآن و سُنّت آگے آتی ہیں۔ لیکن اس جگہ ایک بات ہر وقت پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص سُنّت کے اتباع اور بدعت کی مخالفت کی دعوت دیتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا منشاء بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور ان کے دین کی حفاظت کے اور کچھ نہیں۔

اسی طرح جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہے۔ منشاء اس کا بھی اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی رضاء حاصل کرنا ہی ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بدعت کو وہ بھی گمراہی کہتا اور بُرا سمجھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ علم صحیح نہ ہونے کے سبب وہ کسی بدعت کو بدعت نہیں سمجھتا بلکہ اس کو عبادت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہے۔

اس لیے ضرورت اس کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے ہمدردی و خیر کے لہجہ میں مسلمانوں کو حقیقت امر سے واقف کرایا جائے۔ تشدد، طعنہ زنی، الزام تراشی کے طریقوں سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے کہ ان سے

کبھی کسی کی اصلاح نہیں ہوتی، "بدعتی" وہابی کے طعن آمیز خطابات سے پرہیز کیا جائے اور کسی کے کلام کو توڑ مروڑ کر اُس کے منشاء و مقصد کے خلاف اس پر غلط الزام لگانا کھلا بہتان ہے۔ جس کے حرام ہونے میں کسی کو کسی تردد کی گنجائش نہیں۔ آخرت کے حساب کو سامنے رکھتے ہوئے ان حرکات سے باز رہا جائے۔

اس مختصر گزارش کے بعد اصل مقصد پر آتا ہوں اور چونکہ اصل خرابی ناواقفیت اور بدعت کو بدعت نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے پہلے بدعت کی تعریف اور اس کی حقیقت لکھتا ہوں۔

إِنْ أَرَدْتُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ
وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بدعت کیا چیز ہے؟

اور اس میں کیا خرابی ہے؟

بدعت کی تعریف

اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے ، اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً نہ صراحتہً نہ اشارۃً ، بدعت کی یہ تعریف علامہ برکویؒ کی کتاب "الطریقۃ المحمدیہ" اور علامہ شاطبیؒ کی کتاب الاعتصام سے لی گئی ہے

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عادات اور دنیوی ضروریات کے لیے جو نئے نئے آلات اور طریقے روزمرہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ بطور عبادت اور بہ نیت ثواب نہیں کیے جاتے یہ سب جائز اور مباح ہیں بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے مخالف نہ ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً صراحتہً یا اشارۃً وہ بھی بدعت نہیں ہوسکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت عہدِ رسالت میں موجود نہ تھی بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پیدا ہو گئی ۔ وہ بھی بدعت میں داخل نہیں۔ جیسے مروجہ مدارس اسلامیہ اور تعلیمی تبلیغی انجمنیں اور دینی نشر و اشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث کے لیے صرف و نحو اور ادب عربی اور فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالف اسلام فرقوں کا رد کرنے کے لیے منطق اور فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لیے جدید اسلحہ اور جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت بھی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں موجود بھی نہ تھیں مگر پھر بھی ان کو بدعت اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ان کا سبب داعی اور ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی۔ بعد میں جیسی جیسی ضرورت پیدا ہوتی گئی علماء امت نے اس کو پورا کرنے کے لیے مناسب تدبیریں اور صورتیں اختیار کرلیں۔

اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں نہ کوئی ان کو اس خیال سے کرتا ہے کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا بلکہ وہ چیزیں عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں گویا یہ احداث فی الدین نہیں بلکہ احداث للدین ہے۔ اور احادیث میں ممانعت احداث فی الدین کی آئی ہے احداث للدین کی نہیں یعنی کسی منصوص دینی مقصد کو پورا کرنے کے لیے بضرورت زمان و مکان کوئی نئی صورت اختیار کرلینا ممنوع نہیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہد رسالت میں اور زمان مابعد میں یکساں ہے۔ ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا، جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں۔ اس کو بدعت کہا جائے گا اور یہ از روئے قرآن و حدیث ممنوع و ناجائز ہوگا۔

مثلاً درود و سلام کے وقت کھڑے ہو کر پڑھنے کی پابندی۔ فقراء کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنے کے لیے مختلف سورتیں پڑھنے کی پابندی نماز باجماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی مرتبہ دعا مانگنے کی پابندی۔ ایصال ثواب کے لیے تیجہ چہلم وغیرہ کی پابندی۔ رجب و شعبان وغیرہ کی متبرک راتوں میں خود ایجاد قسم کی نمازیں اور ان کے لیے چراغاں وغیرہ اور پھر ان خود ایجاد چیزوں کو فرض و واجب کی طرح سمجھنا ان میں شریک نہ ہونے والوں پر ملامت اور لعن طعن کرنا وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ درود و سلام۔ صدقہ خیرات، اموات کو ایصال ثواب، متبرک راتوں میں نماز و عبادت۔ نمازوں کے بعد دعا، یہ سب چیزیں عبادات ہیں ان کی ضرورت جیسے آج ہے۔ ایسے ہی عہدِ صحابہ میں بھی تھی۔ ان کے ذریعہ ثواب آخرت اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذوق و شوق جیسے آج کسی نیک بندے کو ہو سکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو ان سب سے زائد تھا۔ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کو صحابہ کرامؓ سے زائد ذوق عبادت اور شوق رضاء الٰہی حاصل ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ کل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها فان الاول لم يدع للآخر مقالا فاتقوا الله يا معشر المسلمين وخذوا بطريق من كان قبلكم یعنی جو عبادت صحابہ کرامؓ نے نہیں کی وہ عبادت نہ کرو کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی [illegible]

خدا تعالیٰ سے ڈرو اور پہلے لوگوں کے طریقے کو اختیار کرو اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے (الاعتصام للشاطبی ص۲۱ ج۱)

بدعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی وجوہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ سب کام عہد رسالت میں بھی عبادت کی حیثیت سے جاری تھے تو ان کے ایسے طریقے اختیار کرنا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اختیار نہیں کیے ان کا فلسفہ اور حکمت کیا ہے کیا یہ مقصد ہے کہ ان عبادات کے یہ نئے طریقے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ تھے آج ان دعوے داروں پر انکشاف ہوا ہے اس لیے انہوں نے اختیار نہیں کیے یہ کر رہے ہیں۔

دین میں کوئی بدعت نکالنا رسول اللہ پر خیانت کی تہمت لگانا ہے

اور اگر کہا جائے کہ ان کو معلوم تھے مگر لوگوں کو نہیں بتلایا تو کیا یہ معاذ اللہ ان حضرات پر دین میں بخل و خیانت اور تبلیغ رسالت کے فرائض میں کوتاہی کا الزام نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ رسالت میں خیانت کی کہ پوری بات نہیں بتلائی۔

بدعت نکالنا یہ دعویٰ کرنا ہے کہ دین عہد رسالت میں مکمل نہیں ہوا تھا

ایک طرف تو قرآن کا یہ اعلان اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ یعنی میں نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر دیا، دوسری طرف عبادات کے نئے نئے

طریقے نکال کر عملاً یہ دعویٰ کہ شریعت اسلام کی تکمیل آج ہو رہی ہے۔ کیا کوئی مسلمان جان بوجھ کر اس کو قبول کر سکتا ہے۔

اس لیے یقین کیجیے کہ عبادات کا جو طریقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اختیار نہیں کیا وہ دیکھنے میں کتنا ہی دل کش اور بہتر نظر آئے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اچھا نہیں اُسی کو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ ما لم یکن یومئذ دینا لا یکون الیوم دینا یعنی جو کام اس زمانہ میں دین نہیں تھا۔ وہ آج بھی دین نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے ان طریقوں کو معاذ اللہ نہ تو نا واقفیت کی بناء پر چھوڑا تھا نہ سُستی یا غفلت کی بناء پر بلکہ ان کو غلط اور مُضر سمجھ کر چھوڑا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو ثانی فاروقِ اعظمؓ سمجھے جاتے تھے انہوں نے یہی مضمون اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

آج اگر کوئی شخص نماز تین کے بجائے چار رکعت اور صبح کی دو کے بجائے تین یا چار پڑھنے لگے یا روزہ مغرب تک رکھنے کے بجائے عشاء کے بعد تک رکھے تو ہر سمجھ دار مسلمان اس کو بُرا اور غلط اور ناجائز کہے گا۔ حالانکہ اس غریب نے بظاہر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا کچھ تسبیحات زیادہ پڑھیں کچھ اللہ کا نام زیادہ لیا۔ پھر اس کو بالاتفاق برا اور ناجائز سمجھنا کیا صرف اسی لیے نہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے اور سکھائے ہوئے طریقہ عبادت پر زیادتی کر کے عبادت کی صورت بدل ڈالی اور ایک طرح سے اس کا دعویٰ کیا کہ شریعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل نہیں کیا تھا۔ اس نے کیا ہے یا معاذ اللہ آپؐ نے ادائے امانت میں کوتاہی اور خیانت برتی ہے کہ بہتر اور مفید طریقہائے عبادت لوگوں کو نہیں بتلائے۔

اب غور کیجیے کہ نماز کی رکعات تین کے بجائے چار پڑھنے میں اور نمازوں دعاؤں، درود و سلام کے ساتھ ایسی شرطیں اور طریقے اضافہ کرنے میں کیا فرق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول نہیں حقیقت یہ ہے کہ عبادات شرعیہ میں اپنی طرف سے قیدوں، شرطوں کا اضافہ شریعت محمدیہ کی ترمیم اور تحریف ہے۔ اس لیے اس کو شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔

بدعت تحریف دین کا راستہ ہے

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں، شرطیں اور نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دے دی جائے تو دین کی تحریف ہو جائے گی کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی پتہ نہ لگے گا کہ اصل عبادت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی کیا اور کیسی تھی۔ پچھلی امتوں میں تحریف دین کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے عبادات کے نئے نئے طریقے نکال لیے اور ان کی رسم چل پڑی کچھ عرصہ کے بعد اصل دین اور نو ایجاد چیزوں میں کوئی امتیاز نہ رہا۔

شریعت اسلام میں نفل کو فرض سے جُدا کرنے کا حکم

شریعت اسلام نے چونکہ ہر فتنہ کے دروازہ کو بند اور فساد دین کے راستہ کو روکا ہے۔ اسی لیے اس کا بھی خاص اہتمام فرمایا کہ فرائض اور نوافل میں پورا امتیاز رہے حقیقت کے اعتبار سے بھی اور صورت کے اعتبار سے بھی نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تو یہ معمول رہا کہ مسجد میں صرف فرض نماز جماعت سے ادا فرماتے۔ باقی نوافل اور سنتیں بھی گھر میں جاکر پڑھتے تھے اور جن نمازوں

کے بعد سنت یا نفل نہیں ہے۔ ان میں اگر نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور کوئی وظیفہ پڑھنا ہے تو بصورتِ نماز قبلہ رُخ نہیں بیٹھتے بلکہ داہنی یا بائیں جانب پھر کر بیٹھتے ہیں تاکہ دور ہی سے ہر شخص یہ سمجھ لے کہ نماز فرض ختم ہو چکی ہے۔ اب امام جو کچھ پڑھ رہا ہے۔ وہ اختیاری چیز ہے۔ اصل سنت تو یہی ہے کہ نوافل اور نفلی عبادات سب تنہائی میں اپنے گھروں میں ادا کی جائیں اور اگر مسجد میں ہی سُنتیں پڑھنا ہو تو بھی مسنون طریقہ یہ ہے کہ جماعت فرض کی ہیئت کو ختم کر دیا جائے صفیں توڑ دی جائیں لوگ آگے پیچھے ہو کر سنتیں پڑھیں۔

اسی طرح روزہ شرعاً صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے لیکن چونکہ رات کو سب لوگ عادۃً سوتے ہیں اور سوتے کی حالت میں بھی کھانے پینے سے آدمی ایسا ہی رُکا رہتا ہے۔ جیسا روزہ میں اس لیے سحری کھانا مسنون قرار دیا گیا تاکہ سونے کے وقت جو صورت روزہ کی ہو گئی تھی۔ اس سے امتیاز ہو جائے اور روزہ ٹھیک صبح صادق کے بعد سے شروع ہو اسی لیے سحری کھانا بالکل آخر وقت میں مستحب ہے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کا یقین ہو جاتے ہی روزہ فوراً افطار کرنا چاہیے دیر کرنا مکروہ ہے تاکہ روزہ کی عبادت کے ساتھ زائد وقت کا روزہ میں اضافہ نہ ہو جائے۔

آج بھی یہ سب چیزیں بحمد اللہ مسلمانوں میں جاری ہیں مگر جہالت و ناواقفیت سے ان چیزوں کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ صبح اور عصر کی نماز کے بعد عام طور پر آئمہ مساجد قبلہ کی جانب سے مڑ کر تو بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن اس پر نظر نہیں کہ یہ مڑنا اس غرض سے تھا کہ عملاً اس کا اعلان کر دیں کہ اب فرض ختم ہو چکے ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ جہاں چاہے

جائے مگر یہاں پوری جماعت کو اس کو پابند کیا ہوا ہے کہ جب تک تین مرتبہ دُعا جماعت کے ساتھ نہ کرلیں اس وقت تک سب منتظر رہیں پھر ان دعاؤں میں بھی خاص خاص چیزوں کی ایسی پابندی ہے جیسے کوئی فرض ہو جب تک وہ خاص دُعائیں نہ پڑھی جائیں عوام یوں سمجھتے ہیں کہ نماز کا کوئی جز رہ گیا ہے۔

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور شریعت اسلام کی احتیاط کی صریح مخالفت ہے کہ دعاؤں اور وظیفوں کو نماز فرض کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وظیفے اور دُعائیں بھی گویا نماز کا جز ہیں۔ جو امام یہ دُعائیں اور وظائف سب مقتدیوں کو ساتھ لے کر نہ پڑھے اس کی نماز کو مکمل نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔

بدعتِ حسنہ اور سیّئہ

صحیح حدیث میں ہے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں ہر بدعت سیئہ اور گمراہی ہے کسی بدعتِ اصطلاحی کو بدعت حسنہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ لغوی معنی میں ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اس اعتبار سے ایسی چیزوں کو بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں جو صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ تھی۔ بعد میں کسی ضرورت کی بناء پر ان کو اختیار کیا گیا جیسے آج کل کے مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون۔ کہ اصل بنیاد تعلیم اور درس اور مدرسہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپؐ نے خود فرمایا انّما بُعثتُ معلمًا یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

لیکن جس طرح کے مدارس کا قیام اور ان میں جس طرح کی تعلیم آج کل بضرورت زمانہ ضروری ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں اس کی ضرورت نہ تھی۔ آج ضرورت پیش آئی تو احیاء سنت کے لیے اس کو اختیار کیا گیا جو تعریف بدعت کی اوپر لکھی جا چکی ہے۔ اس کی رو سے کو ایسے اعمال بدعت میں داخل نہیں لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے کوئی ان کو بدعت کہہ دے تو بدعت حسنہ ہی کہا جائے گا۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے تراویح کی یک جا جماعت کو دیکھ کر اس معنے کے اعتبار سے فرمایا نعمت البدعۃُ ھذہ یعنی یہ بدعت تو اچھی ہے کیونکر ان کو اور سب کو معلوم تھا کہ تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھی اور پڑھائی اور زبانی اس کی تاکید کی اس لیے حقیقۃً اور شرعاً تو اس میں بدعت کا کوئی احتمال نہ تھا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاص عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت کا ایسا اہتمام نہ کیا گیا تھا جو بعد میں حضور صلعم ہی کی تعلیم کے مطابق کیا گیا۔ اس لیے ظاہری اور لغوی طور پر یہ کام بھی نیا تھا اس کو فرمایا۔ بدعت حسنہ کا اس سے زیادہ کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا من ابتدع بدعۃ یراھا حسنۃً فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالی یقول الیوم اکملت لکم دینکم فما لم یکن یومئذ دیناً لا یکون الیوم دینا (اعتصام ص۲۸ ج۱)

فاروق اعظم رضؓ کے ارشاد یا بعض بزرگوں کے ایسے کلمات کی آڑ لے کر طرح طرح کی بدعتیں بدعتِ حسنہ کے نام سے ایجاد کرنے والوں کے لیے اس

میں کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز اصطلاح شرع میں بدعت ہے وہ مطلقاً ممنوع و ناجائز ہے۔ البتہ بدعات میں پھر کچھ درجات ہیں۔ بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں بعض مکروہ تحریمی بعض تنزیہی۔

قرآن وحدیث اور آثار صحابہؓ وتابعین و ائمہ دین میں بدعات و محدثات کی خرابی اور ان سے اجتناب کی تاکید پر بے شمار قرآنی آیات و روایات ہیں۔ ان میں سے بعض اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

بدعت کی مذمّت قرآن وحدیث میں

علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں آیات قرآنیہ کافی تعداد میں اس موضوع پر جمع فرمائی ہیں۔ ان میں سے دو آیتیں اس جگہ لکھی جاتی ہیں:۔

(۱) وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مت ہو مشرکین میں سے جنہوں نے
مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے
شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ اور پارٹیاں ہر ایک پارٹی اپنے طرز پر خوش ہے۔

حضرت عائشہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت کی پارٹیاں ہیں۔

(اعتصام ص۶۵ ج ۱)

(۲) قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ آپ فرمائیے کہ کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ کون
أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارہ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ والے ہیں وہ لوگ جن کی سعی وعمل دنیا کی
أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ زندگی میں ضائع اور بیکار ہو گئی اور وہ یہی
سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ نے اَخْسَرِیْنَ اَعْمَالاً کی تفسیر اہل بدعت سے کی ہے اور بلا شبہ اس آیت میں اہل بدعت کی حالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خود تراشیدہ اعمال کو نیکی سمجھ کر خوش ہیں کہ ہم ذخیرۂ آخرت حاصل کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کے اعمال کا نہ کوئی وزن ہے نہ ثواب بلکہ اُلٹا گناہ ہے۔

روایات حدیث بدعت کی خرابی اور اس سے روکنے کے بارے میں بے شمار ہیں۔ ان میں سے بھی چند روایات لکھی جاتی ہیں:۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احدث فی امرنا مالیس منه جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز داخل
فھو رد۔ (اعتصام بحوالہ بخاری) کرے جو دین میں داخل نہیں وہ مردود ہے

۲۔ اور مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے۔

امابعد فان خیر الحدیث کتاب حمد و صلوٰۃ کے بعد سمجھو کہ بہترین کلام اللہ
اللہ وخیر الھدی ھدی محمد کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ اور طرز عمل
وشر الامور محدثاتھا وکل محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ اور طرز عمل
بدعة ضلالة اخرجه مسلم ہے۔ اور بدترین چیز نوایجاد بدعتیں ہیں
وفی روایة للنسائی کل محدثة اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور نسائی کی
بدعة وکل بدعة فی النار۔ روایت میں ہے کہ ہر نوایجاد عبادت
(اعتصام ص۴۹/۱) بدعت ہے اور ہر بدعت جہنم میں ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رض بھی یہی خطبہ دیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض اپنے خطبہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے۔

انکم ستحدثون و یحدث لکم فکل محدثۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ (اعتصام ۴۶/۱)

تم بھی نئے نئے کام نکالو گے اور لوگ تمہارے لیے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ عبادت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۳۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من دعا الی الہدی کان لہ من الاجر مثل اجور من یتبعہ لا ینقص ذالک من اجورھم شیئاً ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثام من یتبعہ لا ینقص ذالک من آثامھم شیئاً۔

جو شخص لوگوں کو صحیح طریق ہدایت کی طرف بلائے تو ان تمام لوگوں کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا جو اس کا اتباع کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو اس پر ان سب لوگوں کا گناہ لکھا جائے گا جو اس کا اتباع کریں گے بغیر اسکے کہ انکے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے

بدعات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والے اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے اس کے انجام بد پر غور کریں کہ اس کا وبال تنہا اپنے عمل ہی کا نہیں بلکہ جتنے مسلمان اس سے متاثر ہوں گے ان سب کا وبال بھی ان پر ہے

۴۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رض سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں خطبہ دیا۔ جس میں

نہایت مؤثر اور بلیغ وعظ فرمایا۔ جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل ڈر گئے بعض حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے رخصتی وصیت ہوتی ہے تو آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی بسر کریں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ لولاۃ الامر وان کان عبدا حبشیا فان من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ، وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔

(اعتصام)

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور احکام اسلام کی اطاعت کرنے کی اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑا اختلاف دیکھیں گے۔ اس لیے تم میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو اختیار کرو اور اس کو مضبوط پکڑو اور دین میں نو ایجاد طریقوں سے بچو کیونکہ ہر نو ایجاد طرز عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۵۔ اور حضرت صدیقہ عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ

"جو شخص کسی بدعتی کے پاس گیا اور اس کی تعظیم کی تو گویا اس نے اسلام کو ڈھانے میں اس کی مدد کی۔" (اعتصام للشاطبی صہ۴۸ ج ۱)

۶۔ اور حضرت حسن بصری رحؒ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"اگر تم چاہتے ہو کہ پل صراط پہ تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنت

میں جاؤ تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ پیدا نہ کرو (اعتصام)

۷۔ آجری کی کتاب السنہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا احدث فی امتی البدع، و شتم اصحابی، فلیظهر العالم علمه۔ فمن لم یفعل فعلیه لعنة الله و الملائکة والناس اجمعین۔ (اعتصام ص۱۷)

جب میری اُمت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں اور میرے صحابہ کو بُرا کہا جائے تو اس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے گا تو اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔

عبداللہ بن حسن نے فرمایا کہ میں نے ولید بن مسلم سے دریافت کیا کہ حدیث میں اظہار علم سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ ”اظہار سُنت“

۸۔ حضرت حذیفہ ابن یمانؓ نے فرمایا کہ

”مسلمانوں کے لیے جن چیزوں کا مجھے خطرہ ہے ان میں سب سے زیادہ خطرناک دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو چیز وہ دیکھیں اس کو اس پر ترجیح دینے لگیں جو اُن کو سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہے دوسرے یہ کہ وہ غیر شعوری طور پر گمراہ ہو جائیں۔

سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوگ صاحب بدعت ہیں۔

۹۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

"خدا کی قسم آئندہ زمانہ میں بدعتیں اس طرح پھیل جائیں گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ کہیں گے کہ تم نے سنت چھوڑ دی۔ (اعتصام صہ ۹۰ ج ۱)

(۱۰) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ

"اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو اور عبادت میں مبالغہ اور تعمق نہ کرو۔ پرانے طریقوں کو لازم پکڑے رہو۔ اس چیز کو اختیار کرو جو از روئے سنت تم جانتے ہو اور جس کو اس طرح نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو۔"

(۱۱) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آئندہ لوگوں پر کوئی نیا سال نہ آئے گا جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں گے اور کسی سنت کو مردہ نہ کر دیں گے۔ یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مردہ ہو جائیں گی۔

(اعتصام صہ ۹۵ ج ۱)

(۱۲) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ

"بدعت والا آدمی جتنا زیادہ روزہ اور نماز میں مجاہدہ کرتا جاتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ صاحب بدعت کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔

(۱۳) حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا۔

"کوئی قول بغیر عمل کے مستقیم نہیں اور کوئی عمل و قول بغیر نیت کے مستقیم نہیں اور کوئی قول اور عمل اور نیت اس وقت تک مستقیم نہیں جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو۔"

(۱۴) ابو عمرو شیبانی فرماتے ہیں کہ

"صاحب بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی (کیونکہ وہ تو اپنے گناہ کو

گناہ ہی نہیں سمجھتا توبہ کس سے کرے")

(۱۵) حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کا یہ کلام حضرت امام مالک رح اور تمام علماء وقت کے نزدیک ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے

سنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم سننا وولاة الامر من بعده سننا الاخذ بها تصدیق بکتاب الله واستکمال لطاعة الله ، وقوة علی دین الله ، لیس لاحد تغییرها ولا تبدیلها ولا النظر فی شیئ خالفها ، من عمل بها مهتدٍ ومن انتصر بها منصور ومن خالفها اتبع غیر سبیل المؤمنین ، وولاه الله ما تولی واصلاه جهنم وساءت مصیرا ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں ان کو کرنا کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعتِ الٰہی کی تکمیل اور اللہ کے دین میں قوت حاصل کرنا ہے۔ کسی طرح نہ ان میں تغیّر جائز ہے نہ بدلنا اور نہ اس کے خلاف کسی چیز پر نظر کرنا۔ جو ان پر عمل کرے گا ہدایت پائے گا اور جو ان سنتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا چاہے گا۔ اس کی مدد ہو گی اور جو اُن کے خلاف کرے گا اس نے مسلمانوں کے راستہ سے مخالف راستہ اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تجویز و اختیار پر چھوڑ دے گا اور پھر جہنم میں جلائے گا اور جہنم بُرا ٹھکانہ ہے۔

بدعات و محدثات
حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات و محدثات ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں اور اُنہی کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ "طریقت و شریعت دو متضاد چیزیں ہیں، بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں اہل طریقت ان کو جائز قرار دیتے ہیں" اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں۔ کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے۔ جب اس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جانا سہل ہے۔

اسی لیے مناسب معلوم ہوا کہ حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کے ارشادات بدعات کی مذمت اور اتباع سنت کی تاکید میں بقدرِ کفائت جمع کیے جاویں تاکہ عوام اس دھوکہ سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے یا اتباع سنت میں متساہل ہیں۔ اس سلسلے کے لیے علامہ شاطبی رح نے اپنی کتاب الاعتصام ص۶۰۔ ج ۱ میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ جس میں صوفیائے متقدمین کے ارشادات دربارۂ مذمتِ بدعات جمع کیے ہیں۔ ہمارے لیے ان کا ترجمہ کر دینا کافی ہے۔

امام طریقت حضرت فضیل بن عیاضؒ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے، اس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے، فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مگر ہم بعض کاموں کے لیے زمانۂ دراز سے دعا کر رہے ہیں۔ قبول نہیں ہوتی، اس کا کیا سبب ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارے قلوب مر چکے ہیں اور مردہ دل کی دعا قبول نہیں ہوتی اور موتِ قلوب کے دس سبب ہیں۔

اوّل یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا،

دوسرے تم نے کتاب اللہ کو پڑھا اور اس پر عمل نہیں کیا،

تیسرے تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کیا مگر آپؐ کی سُنّت کو چھوڑ بیٹھے۔

چوتھے شیطان کی دُشمنی کا دعویٰ کیا مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔

پانچویں تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں۔ مگر اس کے لیے عمل نہیں کرتے، اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کرائیں،

اور غرض اس حکایت کے نقل سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ترکِ سُنّت کو موتِ قلب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

حضرت ذوالنّون مصریؒ

فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور سُنن میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباعؑ کیا جاوے اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمل آخرت کے متعلق ان کی ہمتیں اور نیتیں ضعیف ہو گئی ہیں، دوسرے یہ کہ ان کے اجسام ان کی خواہشات کا گہوارہ بن گئے۔ تیسرے یہ کہ ان پر طولِ امل غالب آگیا یعنی دنیوی سامان میں قرنوں اور زمانوں کے انتظام کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، حالانکہ عمر قلیل ہے۔ چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضاء کو حق تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے، پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھے، چھٹے یہ کہ مشائخ سلف اور بزرگان متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہو گئی تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنا لیا اور ان کے فعل کو اپنے لیے حجت سمجھا اور ان کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا۔

اور ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمہیں چاہیے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو، اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے ان کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود تعلیم فرمایا ہے۔ اس طریقہ سے بہت بہتر ہے۔ جو تم خود اپنے لیے بناتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لیے اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ جیسے بعض لوگ خلاف

سُنّت رہبانیت کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حُکم بنائے اور جس چیز سے اس نے روک دیا ہے اس سے بچے۔

آج کل لوگوں کو حلاوتِ ایمان اور طہارت باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض اور واجبات کو معمولی چیزیں سمجھ کر ان کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا کرنا چاہیے۔

حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں حق تعالیٰ نے سب اقران پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، میں واقف نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم میری سُنّت کا اتباع کرتے ہو اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو، اور میرے صحابہ اور اہل بیت کی محبت رکھتے ہو۔

حضرت ابوبکر دقاق رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابوبکر دقاق قدس سرہٗ جو حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے تھے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس میدان سے گزر رہا تھا۔ جہاں چالیس سال تک بنی اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے اور نکل نہ سکتے تھے۔ جس کو وادی

تیہہ کہا جاتا ہے ، اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف ہے ، اچانک مجھے غیبی آواز آئی ۔

کل حقیقۃ لا تتبع بالشریعۃ فھی کفر۔

(ترجمہ) جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے وہ کفر ہے ۔

حضرت ابو علی جوازنی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ کی نیک نیتی کی علامت یہ ہے کہ اس پر خدا اور رسول کی اطاعت آسان ہو جائے اور اس کے افعال مطابق سنت کے ہو جاویں اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جاوے اور اپنے احباب و اخوان کے ساتھ اس کو حسن اخلاق کی توفیق ہو ، اور خلق اللہ کے لیے اس کا نیک سلوک عام ہو اور مسلمانوں کی غم خواری اس کا شیوہ ہو اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے (یعنی ضائع ہونے سے بچائے ۔)

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا طریقہ کیا ہے ، فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور ان عقائد و احکام کا اتباع جن پر علمائے اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے اور ان کی اقتدار کو لازم سمجھنا ۔

حضرت ابوبکر ترمذی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور یہ درجہ ان کو محض اتباع سُنّت اور ترکِ بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ صاحبِ ہمت اور سب سے زیادہ واصل الی اللہ تھے ،

ف : ۔ ہمت اصطلاح صوفیہ میں تصرف اور توجہ کو کہتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے تخیل کی قوت کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے، اس جگہ ممکن ہے کہ یہی مراد ہو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصرف اور ہمت اصطلاحی کے استعمال کا صدور کہیں صراحتہً ثابت نہیں۔ اسی لیے غالباً اس جگہ ہمت کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حضرت ابوالحسن ورّاق رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء فی الاحکام کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کے لیے سوائے اقتداء رسول کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے وہ ہدایت حاصل کرنے کی خاطر گمراہ ہو گیا۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت ابو عبداللہ مغربی اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہما کے اصحاب میں سے ہیں، بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر پر سخت رد کرنے والے، کتاب و سنت کے طریقے پر مضبوطی سے قائم اور مشائخ ائمہ متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن منازل ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبانؒ تمام فقراء اور اہل آداب و معاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حجت ہیں۔

حضرت ابو عمرو زجاجی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عباد و زہاد کے مشہور امام حضرت جنیدؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کے اصحاب میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ :۔

"زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے جن کو ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ان کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا، پس عقل صحیح و سلیم وہی ہے جو محسنات شرعیہ کو اچھا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدات کیے، مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباع علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم ہوا، اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں مصیبت میں پڑ جاتا، بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے (مگر وہ اختلاف جو تجرید توحید میں ہو کہ وہ رحمت نہیں) اور اتباع صرف اتباع سنت کا نام ہے (کیونکہ علم سنت کے علاوہ دوسری چیز علم کہلانے کی مستحق نہیں)۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے وطن میں تشریف لائے، شہر میں ان کی ولایت بزرگی کا چرچا ہوا، حضرت ابو یزید بسطامی نے بھی زیارت کا قصد کیا اور اپنے ایک رفیق سے کہا، چلو ان بزرگ کی زیارت کر آئیں۔

ابو یزیدؒ اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ بزرگ گھر سے نماز کے لیے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے تو جانب قبلہ میں تھوک دیا، ابو یزیدؒ یہ حالت دیکھتے ہی واپس ہو گئے اور ان کو سلام بھی

نہ کیا، اور فرمایا کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ اس کو ادا کر سکے، اس سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو۔

امام شاطبیؒ اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابویزید کا ارشاد ایک اصل عظیم ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تارک سُنّت کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ ترکِ سُنّت بوجہ ناواقفیت ہونے کے ہوا ہو،

اب آپ اندازہ کریں کہ جو اعلانیہ ترک سُنّت اور احداث بدعت پر مصر ہوں۔ ان کو بزرگی اور ولایت سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو محمد بن عبدالوہاب ثقفیؒ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں جو صواب اور درست ہوں اور صواب و درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو خالص (اس کے لیے ہوں) اور خالص میں سے بھی وہی مقبول ہیں جو سنت کے مطابق ہوں۔

نیز حضرت ابویزید کا ارشاد ہے کہ "اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو، یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑنے لگے تو اس سے ہرگز دھوکہ نہ کھاؤ اور اس کی بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حدود اور آدابِ شریعت کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ جو فعل بغیر اقتداء (رسول) کے کرتا ہے۔ خواہ وہ (خوبصورت) طاعت ہو یا معصیت، وہ عیش نفس ہے اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے وہ نفس پر عتاب اور مشقت ہے۔ کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء و اتباع میں نہیں ہو سکتی اور اصل مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے کہ اتباع ہوا سے بچیں، نیز فرمایا کہ ہمارے (صوفیاء کرام کے) سات اصول ہیں، ایک کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، دوسرے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء، تیسرے اکل حلال (یعنی کھانے پینے اور استعمال کرنے میں اس کا لحاظ کہ کوئی چیز حرام (ناجائز نہ ہو) چوتھے لوگوں کو تکلیف سے بچانا، پانچویں گناہوں سے بچنا، چھٹے توبہ، ساتویں ادائے حقوق۔

نیز ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہو گئی، توبہ کا التزام اور سنت رسولؐ کا اتباع، اور مخلوق کو اپنی ایذا سے بچانا، نیز کسی نے آپ سے فرمایا کہ فتوت (عالی ظرفی) کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ اتباع سنت۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میرے قلب میں معارف و حقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتہ عجیبہ وارد ہوتا ہے اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے۔ مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ عادل گواہ کتاب و سنت ہیں۔

حضرت ابوحفص حداد رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ) کو متہم (ناقابل اطمینان) نہیں سمجھتا اس کو مردانِ راہ تصوف میں شمار نہ کرنا، نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا کہ احکام میں تعدی یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا اور تہاون فی السنن، یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سستی کرنا اور اتباع الآراء والاھواء، یعنی اپنی خواہشات اور غیر معتبر آراء رجال کی پیروی اور ترک الاتباع والاقتداء یعنی سلف صالح کے اتباع و اقتداء کو چھوڑنا اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالت رفیعہ بغیر امر صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت حمدون قصّار رحمتہ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور دار و گیر کسی شخص کے لیے کس وقت جائز ہوتی ہے، فرمایا کہ جب وہ یہ سمجھے کہ احتساب اور امر بالمعروف مجھ پر فرض ہو گیا ہے (فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کیا جائے وہ اس کا ماتحت اور تحت القدرت ہو، یا یہ یقین ہو کہ ہماری وہ بات مان لے گا۔ وغیر ذٰلک) یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اس کو نجات ہو جاوے گی۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے اس کو اپنا

قصور اور مردانِ راہ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے۔ کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتداء کی ترغیب دیں، کیونکہ یہی حضرات اہل سنت ہیں۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت کرتا ہے اس کا عمل باطل ہے

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسقاط اعمال کے قائل ہیں۔

اور فرمایا کہ میں تو ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تو اپنے اختیار سے اعمال بر (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں، ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں تو دوسری بات ہے۔

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب بجز اتباع آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مخلوق پر بند کر دیے گئے۔ (یعنی بغیر اقتداء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ نیز

ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ[1] نہ کرے اور حدیث رسولؐ کو نہ لکھے اس معاملہ (تصوف) میں اس کی اقتداء نہ کرنی چاہیے کیونکہ ہمارا علم کتاب و سُنّت کے ساتھ مقید ہے اور فرمایا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابُوعثمان حیری رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت و صحبت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک حُسن ادب، دوسرے دوام ہیبت تیسرے مراقبہ اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت و معیت، اتباعِ سُنّت اور ظاہر شریعت کے احترام سے حاصل ہوتی ہے اور اولیاء کی صحبت و معیت ادب و احترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا حال متغیر ہوا تو صاحبزادہ نے بوجہ شدت غم و الم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، ابوعثمان نے آنکھ کھولی اور فرمایا، بیٹا، ظاہر اعمال میں خلافِ سنت کرنا یہ باطن میں ریاء ہونے کی علامت ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول و فعل میں سنت کو حاکم بنا دے گا وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا اور جو قول و فعل میں خواہشات و اہوا کو حاکم بنائے گا وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وان تطیعوہ تہتدوا یعنی اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروگے۔ تو

---

[1] حفظ قرآن سے غالباً مراد یہ ہے کہ احکام قرآن پر اس کی نظر ہو، اور تلاوت کا ورد ہو، اسی طرح کتابت حدیث سے ضروری احادیث کے مضامین حفظ ہونا مراد ہے جیسا کہ مشائخ سلف و خلف کے تعامل سے واضح ہے، محمد شفیع عفا عنہ

ہدایت پاؤ گے۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں جس کو تم دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے باہر نکال دے تو تم اس کے پاس نہ جاؤ۔

حضرت محمدؐ بن فضل بلخی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے۔ ایک[۱] یہ کہ لوگ علم پر عمل نہ کریں، دوسرے[۲] یہ کہ علم کے خلاف عمل، تیسرے[۳] یہ کہ جس چیز کا علم ہو اس کو حاصل نہ کریں۔ چوتھے[۴] یہ کہ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ یہ تو ان کا ارشاد ہے، اور ہمارے زمانے کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہو گیا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے جو اس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہے اور اس کے رسول کا سب سے زیادہ متبع ہو،

حضرت شاہ کرمانی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی نظر کو محارم سے محفوظ رکھے اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرے اور ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کرے اور اپنے نفس کو اکل حلال کی عادت ڈالے تو اس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابوسعید خراز رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو وہ باطل ہے

حضرت ابوالعباس ابن عطاء رحمتہ اللہ علیہ

جو سیدالطائفہ حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس پر آداب الٰہیہ کو لازم کر لے۔ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نورِ معرفت سے منور فرما دیتا ہے اور کوئی مقام اس سے اعلیٰ و اشرف نہیں ہے کہ بندہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر اور اخلاق میں ان کا متبع ہو، نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے ربّ سے غافل ہو اور یہ کہ اس کے آداب معاملہ سے غافل ہو۔

حضرت ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ عالم صرف وہ شخص ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے اور سنت نبویؐ کا اقتداء کرے اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہے، کسی نے آپ سے دریافت کہ عافیت کیا چیز ہے تو فرمایا۔

دین بلا بدعۃ و
عمل بلا آفۃ و
قلب بلا شغل ونفس
بلا شہوۃ

دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت
کے (یعنی بدعات ومخترعات کی آفتیں
اس میں شامل نہ ہوں) اور قلب
فارغ جس کو غیر اللہ کا شغل نہ ہو اور نفس

جس میں شہوت کا غلبہ) نہ ہو

اور فرمایا کہ (حقیقی) صبر یہ ہے کہ احکام کتاب و سنت پر مضبوطی سے قائم رہے۔

حضرت بنان حمّال رحمتہ اللہ علیہ

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوال صوفیہ کی اصل کیا ہے۔ فرمایا (چار چیزیں) اول یہ کہ جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے، اس میں اس پر اعتماد و توکل کرنا، (یعنی رزق) دوسرے احکام الٰہی پر مضبوطی سے قائم رہنا، تیسرے قلب کی حفاظت (لایعنی تفکرات سے) چوتھے کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذاتِ حق کی طرف رکھنا۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرہٗ

فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اس پر چلنا بھی سہل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے کے لیے کوئی رہبر و رہنما بجز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے۔

حضرت ابو اسحاق رقاشی قدس سرہٗ

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں یا نہیں تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو سب

کاموں پر ترجیح دے اور دلیل اس کی حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ،

حضرت ممشاد دینوری قدس سرہٗ

فرماتے ہیں کہ آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام و عظمت کا التزام کرے اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے۔

حضرت ابو علی روزباری قدس سرہٗ

آپ سے کسی نے ذکر کیا، بعض صوفیا (غنا و مزامیر) سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لیے حلال ہے کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا ہے کہ وہ پہنچ گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تک نہیں جہنم تک،

حضرت ابو عبد اللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضے کو ضائع کرتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرما دیتے ہیں اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بدعاتِ مُروّجہ

بدعت کی چونکہ کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔ ہر زمانہ ہر ملک میں ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لوگ نئے نئے طریقے بدعت کے ایجاد کرتے ہیں۔ جن کا حصر و شمار ممکن نہیں اور اصولی طور پر بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے ارشادات کے ذریعہ معلوم ہو جانے کے بعد بدعات کی تفصیلات جمع کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ لیکن بہت سے عوام اور ناواقفوں کو یہ مشکل ہوتا ہے کہ بدعت کی تعریف سن کر اس کو اپنے زمانہ کی مروجہ بدعات پر منطبق کر کے سمجھیں کہ فلاں چیز بدعت ہے فلاں نہیں

اس لیے ضروری ہے

کہ ہر زمانہ میں جو بدعات رائج ہو جاویں۔ ان کو متعین اور شمار کر کے لوگوں کو بتلا دیا جائے۔ اس کے لیے علماء اہل سنت نے بحمد اللہ بہت سی کتابیں اردو زبان میں لکھ دی ہیں ان کو ضرور دیکھ لیا جائے۔ بہشتی زیور اور اصلاح الرسوم کا مطالعہ بھی کافی ہے اور بعض بدعات مروجہ کا بھی بیان کیا جاتا ہے:-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صلوٰۃ وسلام کا مروّجہ طریقہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

(الف) بعض مساجد میں کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز یا دوسری نمازوں کے بعد التزام کے ساتھ جماعت بناکر اور کھڑے ہو باآواز بلند بالفاظ ذیل سلام پڑھتے ہیں۔

یَارَسُول سَلَامٌ عَلَیْکَ یَانَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ

وغیرہ ان میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔ یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اس لیے یہ سلام خود سنتے اور جواب دیتے ہیں جو لوگ ان کے اس عمل میں شریک نہیں ہوتے ان کو مطعون کرتے اور طرح طرح سے بدنام کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں عموماً مسجدوں میں نزاع اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کا سلام پڑھنا مسجدوں میں جائز ہے؟ اور متولیان مساجد کو اس کی اجازت دینا چاہیے یا نہیں؟

(ب) جہاں مذکورہ طریقہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے وہاں

(۱) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔

یا (۲) بغیر تشریف لائے ہوئے سلام کو خود سنتے ہیں۔
یا (۳) اس طرح کے صلوٰۃ وسلام کو فرشتے آپؐ تک پہنچا دیتے ہیں، ان میں سے کون سی بات صحیح ہے۔

(ج) طریقہ مندرجہ بالا پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا قیام کے بغیر کیسا ہے اور قیام کے ساتھ ہو تو اس کا کیا حکم ہے

(د) اندرون مسجد یہ صلوٰۃ وسلام کیا حکم رکھتا ہے اور مسجد کے باہر اس کا کیا حکم ہے؟

جواب باصواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں! والسلام!

۷۸۶

الجواب

سوالات کے جواب دینے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام میں تمام عبادات نماز، روزہ، ذکر اللہ، تلاوت قرآن وغیرہ سب کے لیے کچھ آداب وشرائط اور حدود وقیود ہیں جن کی رعایت کے ساتھ یہ عبادات ادا کی جائیں تو بہت بڑا ثواب اور فلاح دنیا وآخرت ہے اور ان حدود وقیود سے ہٹ کر کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے تو ثواب کے بجائے عذاب اور گناہ ہے، نماز تمام عبادات میں افضل ہے۔ لیکن طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنا حرام ہے، مقرر کردہ رکعات میں کوئی رکعت زائد کر دے تو حرام ہے، جماعت کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور اس سے نماز کے ثواب میں ستائیس ۲۷ گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کوئی نفل نماز کی جماعت کرنے لگے تو ممنوع اور گناہ ہے، روزہ کتنی بڑی عظیم عبادت

اور اس کا ثواب کتنا بڑا ہے۔ مگر عیدین اور ایام نحر میں روزہ رکھنا حرام ہے، قرآن مجید کی تلاوت بہترین عبادت ہے۔ لیکن رکوع و سجدہ کی حالت میں تلاوت ممنوع ہے اور ایسے مقامات پر جہاں لوگ سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ بلند آواز سے تلاوت ناجائز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام افضل عبادات و موجب برکات اور سعادت دنیا و آخرت ہے۔ مگر دوسری سب عبادات کی طرح اس کے بھی آداب و شرائط ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے سے ثواب کے بجائے گناہ لازم آتا ہے۔

الف

جس ہیئت سے مساجد میں بطرز مذکورہ اجتماع اور التزام کے ساتھ درود وسلام کے نام پر ہنگامہ آرائی ہوتی ہے اس کو درود وسلام کی نمائش تو کہا جا سکتا ہے۔ درود وسلام کہنا اس کو صحیح نہیں کیونکہ وہ بہت سے مفاسد کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ کہ مسجد پوری مسلمان قوم کی مشترک عبادت گاہ ہے۔ اس میں کسی فرد یا جماعت کو فرائض و واجبات کے علاوہ کسی ایسے عمل کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی جو دوسرے لوگوں کی انفرادی عبادت نماز، تسبیح، درود، تلاوت قرآن وغیرہ میں خلل انداز ہو۔ اگرچہ وہ عمل سب کے نزدیک بالکل جائز اور مستحسن ہی کیوں نہ ہو۔ فقہاءؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں باآواز بلند تلاوت قرآن یا ذکر جہری جس سے دوسرے لوگوں کی نماز یا تسبیح و تلاوت میں خلل آتا ہو، ناجائز ہے (شامی خلاصۃ الفتاویٰ) ظاہر ہے کہ جب قرآن اور ذکر اللہ کو باآواز بلند مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں تو درود وسلام کے لیے کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔

(۲) کسی نماز کے بعد اجتماع والتزام کے ساتھ بلند آواز سے درود و سلام پڑھنا نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہؓ و تابعین سے اور نہ ائمہ مجتہدین اور علماء سلف میں کسی سے اگر یہ عمل اللہ و رسولؐ کے نزدیک محمود و مستحسن ہوتا تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے۔ حالانکہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا منقول نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود و سلام کے لیے ایسے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت و ناجائز سمجھتے تھے۔ جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح بخاری و مسلم میں بروایت صدیقہ عائشہ رضؓ منقول ہے

من احدث فی امرنا هٰذا مالیس منہ فھو ردّ

یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں داخل نہ تھی تو وہ مردود ہے اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابرؓ وارد ہے وشرالامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود ایجاد کی جائیں اور ہر نو ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ عبادت کے نام پر دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ تعلیمات رسولؐ کو ناقص قرار دینے کا مرادف اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریف دین کا راستہ ہے اسی لیے حضرات صحابہؓ و تابعینؒ نے اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کل عبادۃ لو یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا (الی) وخذوا بطریق من کان قبلکم . . . . . . یعنی جس طرح کی عبادت صحابہ کرام رضؓ نے نہیں کی تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو بلکہ اپنے اسلاف صحابہؓ

کا طریق اختیار کرو۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی ص ۱۳۱ ج ۲)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اتبعوا اثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم۔ یعنی تم لوگ (صحابہ کرام کے) آثار کا اتباع کرو اور نئی نئی عبادتیں نہ گھڑو کیونکہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے۔

البحر الرائق میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے سُنا کہ فلاں مسجد میں کچھ لوگ جمع ہوتے اور ذکر لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ یہ سُن کر اس مسجد میں خود پہنچے اور اُن لوگوں سے فرمایا ما عهدنا ذالك فی عهده صلی الله علیه و سلم و ما اراکم الا مبتدعین یعنی ہم نے یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا میں تو تم کو اس عمل کی وجہ سے بدعتی سمجھتا ہوں

تنبیہ: یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب کلام انفرادی درود و سلام کے بارے میں نہیں کیونکہ انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث و قرآن میں مذکور اور صحابہ و تابعین کا معمول ہے نہ اس کے لیے کوئی وقت مقرر ہے نہ تعداد جتنا کسی سے ہو سکے اختیار کرے اور سعادت دارین حاصل کرے۔ کلام صرف اس کی مروجہ اجتماعی صورت میں ہے۔

اسلام میں نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں مگر اس کی بھی نفلوں کی جماعت کو باتفاق فقہا و ائمہ مکروہ کہا گیا ہے تو کسی دوسری چیز کی جماعت بنا کر دوام و التزام سے کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کرنے والوں کو اس پر ایسا اصرار ہو جیسے فرض و واجب پر بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس میں شریک نہ ہوں ان پر طعن و تشنیع کی جائے۔ جو کسی حال جائز نہیں۔ کیونکہ اگر بالفرض یہ عمل بدعت بھی نہ ہوتا

تب بھی زیادہ سے زیادہ ایک نفلی عمل ہوتا۔ جس پر فرض و واجب کی طرح اسرار کرنے اور دوسروں کو مجبور کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

جس کام پر اللہ و رسولؐ نے کسی کو مجبور نہیں کیا کسی دوسرے کو اس پر مجبور کرنے کا کیا حق ہے اور نہ کرنے کی صورت میں اس پر طعن و تشنیع کرنا ایک مستقل گناہ کبیرہ ہے جس میں یہ حضرات ناواقفیت سے مبتلا ہوتے ہیں اور اس پر غور نہیں کرتے کہ خود ان کے نزدیک بھی یہ عمل زیادہ سے زیادہ مستحب اور نفل ہے ایک نفل کی خاطر کبیرہ گناہ میں مبتلا ہونا کون سی دانشمندی ہے۔

(۳) خطاب کے الفاظ یا رسول یا نبی اگر اس عقیدہ سے ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر زمان و مکان میں موجود اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ کائنات کی ہر آواز کو سنتا اور حرکت کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح (معاذ اللہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان خدائی صفات میں شریک ہیں تو کھلا ہوا شرک اور نصاریٰ کی طرح رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ رسول کریم صلعم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو گو بصورت معجزہ ایسا ہونا ممکن ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآن یا حدیث سے اس کا ثبوت ہو۔ حالانکہ کسی آیت یا حدیث میں قطعاً اس کا کوئی ذکر نہیں، اور بغیر ثبوت و دلیل کے اپنی طرف کوئی معجزہ گھڑ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے۔ جس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا۔

من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار یعنی جو شخص میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے۔ اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے۔ اور اگر اس طرح کوئی بھی غلط عقیدہ نہ ہو تب بھی

موہم الفاظ ہیں۔ جن میں اس عقیدۂ فاسدہ کو راہ ملتی ہے۔ اس لیے بھی ان سے اجتناب ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر پکارنے سے اسی لیے منع فرمایا کہ یہ الفاظ خطاب کے ساتھ موہم شرک ہیں۔ البتہ روضۂ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے کیونکہ وہاں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام سننا اور جواب دینا روایاتِ حدیث سے ثابت ہے۔

الغرض روضہ اقدس کے علاوہ دوسرے مقامات میں اگر ان الفاظ خطاب کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ ہے تو کھلا ہوا شرک ہے اور مجلس میں تشریف لانے کا عقیدہ ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء اور بہتان ہے اور دونوں میں سے کوئی غلط عقیدہ نہیں تو بھی موہم شرک ہے کی وجہ سے ایسے الفاظ ممنوع ہیں پھر اس ناجائز عمل پر اصرار کرنا دوسرا گناہ ہے اور فرض و واجب کی طرح اس کو ضروری سمجھنا تیسرا گناہ ہے اور اس میں شریک نہ ہونے والے بے گناہ مسلمانوں کو برا بھلا کہنا اور مطعون کرنا چوتھا گناہ ہے اور مساجد میں بآواز بلند کہہ کر دوسرے مشغول لوگوں کے شغل میں خلل انداز ہونا پانچواں گناہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروھۃ لان الجھال یعتقدونہ سنۃ او واجبۃ یعنی جو لوگ نماز کے بعد ذکر یا درود و سلام وغیرہ بآواز بلند کرتے ہیں یہ مکروہ ہے کیونکہ ناواقف لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھتے ہیں۔

افسوس ہے کہ بہت سے نیک دل مسلمان قرآن کریم اور رسول کریمؐ

کی تعلیمات سے ناواقف ہونے کے سبب اس کام میں شریک ہوتے ہیں یہ جذبہ محبت وعظمت بلاشبہ قابل قدر ومبارکباد ہے مگر اس کا بے جا استعمال ایسا ہی ہے جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغرب کی نماز تین کے بجائے چار رکعت پڑھے۔ اور اپنے دل میں یہ حساب لگائے کہ ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے تو مجھے ثواب اوروں سے زیادہ ملے گا۔ حالانکہ وہ کم بخت اپنی تین رکعتوں کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتماع اور التزام کے ساتھ کھڑے ہوکر بآواز بلند مسجدوں میں درود وسلام پڑھنے کا مروجہ طریقہ سراسر خلاف شرع اور باہم نزاع وجدال اور مسجدوں کو اختلافات کا مرکز بنانے کا سبب ہے۔ اس لیے متولیان مسجد اور ارباب حکومت پر لازم ہے کہ مسجدوں میں اس کی ہرگز اجازت نہ دیں۔ اگر کسی کو کرنا ہے تو اپنے گھر میں کرے۔ تاکہ کم از کم مسجدیں تو شور وشغب اور نزاع وجدال سے محفوظ رہیں۔

ب

سوال الف کے جواب میں واضح ہوچکا ہے کہ اس مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا فیصلہ خود ایک حدیث میں اس طرح فرمایا ہے **من صلّی علیّ عنه قبری سمعته، ومن صلّی علیّ نائیا ابلغته** یعنی جو شخص میری قبر کے پاس درود وسلام پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو درود وسلام دور سے بھیجتا ہے۔ وہ (فرشتوں کے ذریعہ) مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

ج

جس طرح ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کھڑے ہو کر بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی ہر طرح جائز ہے اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے۔ ہاں اگر کوئی کھڑے ہو کر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی سمجھے تو یہ ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خصوصًا جب کہ نماز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کو بیٹھ کر پڑھنے کی سُنّت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود و سلام پڑھنے کو خلاف ادب کہنا اس حکم ربّانی اور تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ قرآن کو صرف کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے بیٹھ کر پڑھنا بے ادبی ہے۔

(د)

جواب الف میں واضح ہو چکا ہے کہ بطرز مذکور سلام پڑھنے کے لیے اجتماع والتزام تو بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے جو مسجد میں بھی ناجائز ہے اور مسجد سے باہر بھی، فرق صرف یہ ہے کہ مسجد میں اگر کوئی بیٹھ کر مسنون درود و سلام کے الفاظ کو بھی بآواز بلند اس طرح پڑھے جس سے دوسرے حاضرین مسجد کے شغل میں خلل آتا ہو تو بھی ناجائز ہے اور مسجد سے باہر اس کی گنجائش ہے

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

ہمدردانہ مشورہ

ہر شخص کو اپنی قبر میں سونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ ان معاملات میں جتھہ بندی اور قدیم آبائی رسوم پر ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر سنجیدگی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سمجھنا چاہیے۔ اور یہ غور کرنا چاہیے

کہ دنیا کے تمام معاملات میں ہمارے جھگڑے چلتے ہی رہتے ہیں کم ازکم اللہ کے گھر اور عبادتِ نماز ہی کو ہر طرح کے جھگڑے فساد سے محفوظ رکھا جائے۔

بندہ محمد شفیع
عفا اللہ عنہ

حیلۂ اسقاط......یا دَور؟

میت کی فوت شدہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے واجبات و فرائض کی ادائیگی یا کفارہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ جس سے وہ گناہ سے سُبکدوش ہو جائے۔ اس کا بیان کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے جس کا خلاصہ فائدہ عوام کے لیے اس بحث کے آخر میں لکھ دیا جائے گا۔

لیکن آج کل بہت سے شہروں اور دیہات میں لوگوں نے ایک رسم نکالی ہے جس کو دَور یا **اسقاط** کہتے ہیں اور جاہلوں کو تبلایا جاتا ہے کہ اس رسم کے ذریعہ تمام عمر کے نماز روزوں اور زکوٰۃ و حج اور تمام فرائض و واجبات سے سبکدوشی ہو جاتی ہے اور اس رسم کو ایسی سخت پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسے تجہیز و تکفین کا کوئی اہم فرض ہو جو کوئی نہیں کرتا اس کو طرح طرح کے طعنے دیتے ہیں

بلاشبہ فقہا کے کلام میں دَور و اسقاط کی صورتیں مذکور ہیں، لیکن وہ جن شرائط کے ساتھ مذکور ہیں، عوام نہ ان شرائط کو جانتے ہیں، نہ ان کی کوئی رعایت کی جاتی ہے۔ بلکہ فوت شدہ فرائض و واجبات سے متعلقہ تمام احکام شرعیہ کو نظرانداز کرکے اس رسم کو تمام فرائض واجبات سے سبکدوشی کا ایک آسان نسخہ بنالیا گیا ہے جو چند پیسوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر کسی کو کیا ضرورت

رہی کہ عمر بھر نماز روزہ کی محنت اٹھائے۔

اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرصہ ہوا ایک سوال آیا تھا۔ اس کا جواب کسی قدر مفصل ہوگیا۔ اس رسم میں ابتلاءِ عام کے پیشِ نظر اُسے یہاں درج کیا جاتا ہے

استفتاء کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہمارے علاقہ میں ایک حیلہ مروج ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جنازہ کے بعد کچھ لوگ دائرہ باندھتے ہیں اور میت کے وارث ایک قرآن شریف اور اس کے ساتھ کچھ نقد باندھتے ہیں اور دائرہ میں لاتے ہیں، امام مسجد جو دائرہ میں ہوتا ہے وہ لیتا ہے، اور یہ الفاظ اس پر پڑھتا ہے کل حق من حقوق الله من الفرائض والواجبات والکفارات والمنذورات بعضها اديت و بعضها لم تؤد الان عاجز عن ادائها واعطيناه هذه المنحة الشريفة على هذه النقودات فی حيلة الاسقاط رجاء من الله تعالٰى ان يغفر له اور ایک دوسرے کی مِلک ہوتا ہے۔ تین دفعہ اس کو پھیرا جاتا ہے، بعدہٗ نصف امام کو اور نصف غربا کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

زید ایک امام مسجد ہے، اس نے اس مروجہ حیلہ کو چھوڑ دیا ہے اور کہتا ہے کہ اس مروجہ حیلہ کی دلیل و ثبوت ادلہ شرعیہ سے کوئی نہیں، لہذا یہ بات بدعت ہے۔ زید کے ترک پر زید کو لوگ ملامت کرتے ہیں، اور زید باوجود حنفی المذہب ہونے کے اس کو وہابی کہتے ہیں، اور اس حیلہ کے جواز پر آباؤ اجداد کی دلیل لاتے ہیں۔ کیا زید حق پر ہے یا باطل پر، اس مروجہ حیلہ کے متعلق کیا حکم ہے، زید اس رواج اور اس التزام و اصرار کو ختم کرنے کا شرعاً حق دار اور مصیب ہوگا۔ بعض صورتوں میں مشترک ترکہ میں سے روپیہ لایا جاتا ہے۔ جس

یں بعض وارث موجود نہیں ہوتے، نیز بعض دفعہ یتیم پیچھے رہ جاتے ہیں کیا یہ مال حیلہ میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں اور دائرہ والے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

بینوا بالدلائل الشرعیۃ،

الجواب

حیلہ اسقاط یا دَور بعض فقہائے کرام نے ایسے شخص کے لیے تجویز فرمایا تھا۔ جس کے کچھ نماز، روزہ وغیرہ اتفاقاً فوت ہوگئے، قضا کرنے کا موقع نہیں ملا اور موت کے وقت وصیت کی، لیکن اس کے مال میں اتنا مال نہیں جس سے تمام فوت شدہ نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جا سکے، یہ نہیں کہ اس کے ترکہ میں مال موجود ہو اس کو تو وارث بانٹ کھائیں اور تھوڑے سے پیسے لے کر یہ حیلہ حوالہ کر کے خدا و خلق کو فریب دیں، در مختار، شامی وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور ساتھ ہی اس حیلہ کی شرائط میں اس کی تصریحات واضح طور پر فرمائی ہیں کہ جو رقم کسی کو صدقہ کے طور دی جائے اس کو اس رقم کا حقیقی طور پر مالک و مختار بنا دیا جائے کہ جو چاہے کرے، ایسا نہ ہو کہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دینے کا محض ایک کھیل کیا جائے، جیسا کہ عموماً آج کل اس حیلہ میں کیا جاتا ہے، کہ نہ دینے والے کا یہ قصد ہوتا ہے کہ جس کو وہ دے رہے ہیں وہ صحیح معنی میں اس کا مالک و مختار ہے اور نہ لینے والے کو یہ تصور و خیال ہو سکتا ہے کہ جو رقم میرے ہاتھ میں دی گئی ہے میں اس کا مالک و مختار ہوں۔

دو تین آدمی بیٹھتے ہیں، اور ایک رقم کو باہمی ہیرا پھیری کا ایک لُوٹکا سا کر کے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے میت کا حق ادا کر دیا، اور وہ

تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگیا، حالانکہ اس لغو حرکت سے میت کو نہ کوئی ثواب پہنچا، نہ اس کے فرائض کا کفارہ ادا ہُوا، کرنے والے مفت میں گناہ گار ہوئے۔

رسائل ابن عابدین میں اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ منۃ الجلیل کے نام سے شامل ہے اس میں تحریر فرمایا ہے

ویجب الاحتراز من ان یدیرها اجنبی الا بوکالة کما ذکرنا وان یکون الوصی او الوارث کما علمت، ویجب الاحتراز من ان یلاحظ الوصی عند دفع الصرة للفقیر الهزل او الحیلة بل یجب ان یدفعها عازمًا علی تملیکها منه حقیقة لا تحیلا ملاحظا ان الفقیر اذا ابی عن هبتها الی الوصی کان له ذالك ولا یجبر علی الهبة ۔

(منۃ الجلیل فی اسقاط ما علی الذمۃ من کثیر وقلیل) جز رسائل ابن عابدین ص ۲۲۵ ج ۱

الغرض اس حیلہ کی ابتدائی بنیاد ممکن ہے کچھ صحیح اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہو لیکن جس طرح کا رواج اور التزام آج کل چل گیا ہے وہ بلاشبہ ناجائز اور بہت سے مفاسد پر مشتمل قابلِ ترک ہے، چند مفاسد اجمالی طور پر لکھے جاتے ہیں۔

(۱) بہت مواقع میں اس کے لیے جو قرآن مجید اور نقد رکھا جاتا ہے وہ میت کے متروکہ مال میں سے ہوتا ہے اور اس کے حقدار وارث بعض موجود نہیں ہوتے یا نابالغ ہوتے ہیں تو ان کے مشترک سرمایہ کو ان کی اجازت کے اس کام میں استعمال کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے لایحل مال امرٔ مسلم الا بطیب نفس منہ۔ اور نابالغ تو اگر اجازت بھی دے دے تو وہ شرعًا نامعتبر ہے اور ولی نابالغ کو ایسے تبرعات میں اس کی طرف سے اجازت دینے کا

اختیار نہیں بلکہ ایسے کام میں اس مال کا خرچ کرنا حرام ہے۔ بنص قرآن آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (ترجمہ) جو لوگ یتیموں کے مال ظلماً خرچ کرتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں" سے ثابت ہے کہ ایسے اموال کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ (۲) اگر بالفرض مال مشترک نہ ہو سب وارث بالغ ہوں، اور سب سے اجازت بھی لی جائے تو تجربہ شاہد ہے کہ ایسے حالات میں یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا کہ سب نے بطیب خاطر اجازت دی ہے یا برادری اور کنبہ کے طعنوں کے خوف سے اجازت دی ہے، اور اس قسم کی اجازت حسب تصریح حدیث مذکور کالعدم ہے۔ (۳) اور اگر بالفرض یہ سب باتیں بھی نہ ہوں سب بالغ ورثا نے بالکل خوش دلی کے ساتھ اجازت دے دی ہو یا کسی ایک ہی شخص وارث یا غیر وارث نے اپنے ملک خاص سے اس کا انتظام کیا ہے تو مفاسد ذیل سے وہ بھی خالی نہیں مثلاً اس حیلہ کی فقہی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو اوّل یہ قرآن اور نقد دیا جاتا ہے۔ اس کی ملک کر دیا جائے اور پوری وضاحت سے اس کو بتلا دیا کہ تم مالک و مختار ہو جو چاہو کرو پھر وہ اپنی خوشی سے بلا کسی رسمی دباؤ یا لحاظ و مروت کے میت کی طرف سے کسی دوسرے شخص کو اس طرح دے دے اور مالک بنا دے اور پھر وہ شخص اسی طرح کسی تیسرے چوتھے کو دے دے لیکن مروجہ رسم میں اس کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا، اول تو جس کو دیا جاتا ہے، نہ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ملک ہو گیا اور وہ اس میں مختار ہے نہ لینے والے کو اس کا کوئی خطرہ پیدا ہوتا ہے جس کی کھلی علامت یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس وقت پر نقد لے کر چل دے اور دوسرے کو نہ دے تو دینے والے حضرات ہرگز اس

کو برداشت نہ کریں، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تملیک صحیح نہیں
ہوتی اور بدون تملیک کے کوئی قضا یا کفارہ یا فدیہ معاف نہیں ہوتا اسی
اسی لیے یہ حرکت بے کار جاتی ہے۔ (۴) مذکورہ صورت میں یہ بھی ضروری ہے
کہ جس شخص کو مالک بنایا جائے وہ مصرف صدقہ ہو، صاحب نصاب نہ
ہو مگر عام طور پر اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ عموماً ائمہ مساجد جو صاحب
نصاب ہوتے ہیں انہیں کے ذریعے یہ کام کیا جاتا ہے۔ اس لیے بھی یہ
سارا کاروبار لغو و غلط ہو جاتا ہے۔ میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا
(۵) اور اگر بالفرض مصرفِ صدقہ بھی صحیح انتخاب کر لیا جائے اور ان کو پورا
مسئلہ بھی معلوم ہو کہ وہ قبضہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو مالک و مختار سمجھے پھر
میت کی خیر خواہی کے پیش نظر وہ دوسرے کو اور اسی طرح دوسرا تیسرے
چوتھے کو دیتا چلا جائے تو آخر میں جس شخص کے پاس پہنچتا ہے۔ وہ اس کا مالک
و مختار ہے، اس سے واپس لے کر آدھا امام کو اور آدھا دوسرے فقراء کو تقسیم
کرنا ملکِ غیر میں بلا اس کی اجازت کے تصرف کرنا ہے جو ظلم اور حرام ہے،
حسبِ تصریح حدیث مذکور (۶) اور بالفرض یہ آخری شخص اس کی تقسیم اور
حصے بخرے لگانے پر آمادہ بھی ہو جائے، اور فرض کرو کہ اس پر دباؤ سے
نہیں دل سے ہی راضی ہو جائے تو پھر بھی اس طرح کے حیلہ کا ہر میت کے
لیے التزام کرنا اور جیسے تجہیز و تکفین جیسے واجبات شرعیہ ہیں۔ اسی درجہ
میں اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا یا عملاً ضروری کے درجہ میں التزام کرنا یہی
احداث فی الدین ہے۔ جس کو اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں
اور جو اپنی معکوس حیثیت سے شریعت میں ترمیم و اضافہ ہے۔ نعوذ باللہ۔
نیز اس حیلہ کے التزام سے عوام الناس اور جہلا کی یہ جرأت بھی بڑھ

سکتی ہے کہ تمام عمر بھی نہ نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں نہ حج کریں نہ زکوٰۃ دیں، مرنے کے بعد چند پیسوں کے خرچ سے یہ سارے مفاد حاصل ہو جائیں گے جو سارے دین کی بنیاد منہدم کر دینے کے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دین کے صحیح راستہ پر چلنے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطاء فرمائے۔

مذکور الصدر اجمالی مفاسد کو دیکھ کر بھی یہ فیصلہ کر لینا کسی مسلمان کے لیے دشوار نہیں کہ یہ حیلے والے اور اس کی مروجہ رسوم سب ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں اور کرنے والے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۷۰ھ

مسائل فدیہ نماز و روزہ وغیرہ

مسئلہ، جس شخص نے نماز روزہ یا حج زکوٰۃ وغیرہ کی کوئی وصیت کی تو یہ وصیت اس کے ترکہ کے صرف ایک تہائی حصہ میں جاری کرنا وارثوں پر لازم ہوگا۔ ایک تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ہو تو وہ سب وارثوں کی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے اگر وہ سب یا ان میں کوئی اجازت نہ دے تو مشترکہ ترکہ سے وصیت پوری نہیں کی جاسکتی اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت بھی معتبر نہیں، اس کے حصہ پر ایک تہائی سے زائد کی وصیت کا کوئی اثر نہ پڑنا چاہیے (ہدایۂ عالمگیری، شامی وغیرہ) **مسئلہ** جس شخص نے وصیت کی ہو اور مال بھی اتنا چھوڑا ہو کہ اس کے ایک تہائی میں ساری وصیتیں پوری ہوسکیں تو وصی اور وارثوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس وصیت کو پورا کریں۔ اس میں کوتاہی نہیں کریں میت کا مال موجود ہوتے ہوئے اس کی نماز روزہ کے فدیہ میں حیلہ حوالہ پر اعتماد کرکے مال کو خود تقسیم کرلیں تو گناہ ان کے ذمہ رہے گا۔ **مسئلہ**، وصیت کرنے کی صورت میں واجبات وفرائض کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی (۱) ہر روز کی نمازیں وتر سمیت چھ لگائی جائیں گی اور ہر نماز کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔ یعنی ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔ (۲) ہر روزہ کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔ (۲) ہر روزہ کے علاوہ اگر کوئی نذر (منت) مانی ہوئی ہے تو اس کا بھی فدیہ دینا ہوگا۔ (۳) زکوٰۃ جتنے سال کی اور جتنی مقدار مال کی رہی ہے۔ اس کا حساب کرکے دینا ہوگا (۴) حج فرض اگر ادا نہیں کرسکا تو میت کے مکان سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے گا اور اس کا پورا

کرایہ وغیرہ تمام مصارفِ ضروریہ ادا کرنے ہوں گے (۵) کسی انسان کا قرض ہے تو اس کا حق کے مطابق کرنا ہوگا (۶) جتنے صدقۃ الفطر رہے ہوں ہر ایک کے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کی جائے (۷) قربانی کوئی رہ گئی ہو تو اس [1] سال میں ایک بکرے یا اس حصہ گائے کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کیا جائے (منیتہ الجلیل) (۸) سجدہ تلاوت رہ گئے ہوں تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدہ کے بدلے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے ۔ (۹) اگر فوت شدہ نمازوں یا روزوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو تو تخمینہ سے حساب کیا جائے گا۔

یہ سب احکام اس صورت کے ہیں کہ مرنے والے نے وصیت کر دی ہو، اور بقدر وصیت مال چھوڑا ہو، اور اگر وصیت ہی نہیں کی یا ادائے وصیت کے مطابق کافی ترکہ نہیں ہے، تو وارثوں پر اس کے فرائض و واجبات کا فدیہ ادا کرنا لازم نہیں، ہاں وہ اپنی خوشی سے ہمدردی کرنا چاہیں تو موجب ثواب ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ محرم الحرام کراچی)

---

[1] یعنی جس سال کی قربانی رہ گئی ہو اس سال ایک بکرے یا گائے کے ایک حصہ کی جو قیمت تھی وہ صدقہ کی جائے ۔ ۱۲ واللہ اعلم

محمد رفیع عثمانی

سَایَۂ رسُولؐ؟

سوال : سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں بعض واعظ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب : اگر نقل صحیح سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ بطورِ معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا تو کوئی مسلمان اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا۔ نقل صحیح اس باب میں کوئی موجود نہیں۔ حدیث کی کتب متداولہ صحاح ستہ وغیرہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث وارد نہیں البتہ خصائص کبریٰ میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مضمون کی ایک حدیث● مرسلاً روایت کی ہے۔

باب المعجزة فی بوله وغائطه صلی الله علیه وسلم اخرج الحکیم الترمذی من طریق عبد الرحمٰن بن قیس الزعفرانی عن عبد الملک بن عبد الله بن الولید عن ذکوان ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر ولا اثر قضاء حاجة خصائص ص ج۱/۱۶۰ مطبوعة دائرة المعارف۔ وقال فی باب الآیة فی انه صلی الله علیه وسلم لم یکن یری له ظل۔ اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان بمثله ثم قال ای السیوطی۔ قال ابن سبع من خصائصه ان ظله کان لا یقع علی الارض وانه کان نورا فکان اذا مرّ فی الشمس او القمر لا ینظر له ظل۔ قال

● یہ پوری بحث مستقل رسالہ کی شکل میں ادارۃ المعارف سے مل سکتی ہے۔

بعضہم ویشہد لہ حدیث قولہ علیہ السلام فی دعائہ واجعلنی نوراً خصائص ص ۶۹ ج ۱ و بمثلہ ذکرہ فی المواہب نقلا عن الفخر الرازیؒ مواہب ص ۲۹۸ ج ۲۔

لیکن یہ روایت بہ چند وجوہ ثابت و معتبر نہیں

(۱) اول اس لیے کہ دھوپ اور چاندنی میں چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے واقعات جو سفر و حضر میں جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے تمام عمر نبوی میں پیش آئے ہیں ظاہر ہے کہ غیر محصور اور نہایت کثیر التعداد ہیں پھر دیکھنے والے صحابہ کرام ہزاروں ہزار ہیں، پھر صحابہ کرام کی عادت سے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا ذرا سی بات اور نقل و حرکت اور آثار و حالات کے بیان کرنے کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے۔ ان امور کا مقتضی یقینی طور پر یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ معجزہ ثابت ہوتا تو اس کی روایات صحابہ کرام کی ایک جم غفیر سے منقول ہوتی اور یقیناً حد تواتر کو پہنچتی۔ لیکن جب ذخیرہ حدیث پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس بارہ میں صرف ایک حدیث اور وہ بھی مرسل اور وہ بھی سنداً بالکل ضعیف و واہی نکلتی ہے جو قرینہ قویہ اس امر کا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

۲۔ یہ حدیث مرسل ہے اور محدثین کی ایک عظیم الشان جماعت مرسل کو حجت نہیں سمجھتی۔

۳۔ اس حدیث کا پہلا راوی عبدالرحمٰن بن قیس زعفرانی بالکل ضعیف و مجروح اور کاذب ناقابل اعتبار ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ جھوٹی حدیثیں وضع کرتا تھا ملاحظہ ہوں اقوال ذیل:۔

قال فی المیزان کذبہ ابن مھدی وابو زرعة وقال البخاری ذھب حدیثہ وقال احمد لم یکن بشئ وخرج لہ الحاکم حدیثاً منکراً وصححہ

ومثله فی التقریب وقال فی تهذیب التهذیب کان ابن مهدی یکذبه وقال احمد حدیثه ضعیف ولم یکن بشیٔ متروک الحدیث وقال النسائی متروک الحدیث وقال زکریا الساجی ضعیف کتبت عن حوثرة المنقری عنه وقال صالح بن محمد کان یضع الحدیث وقال ابن عدی عامة ما یرویه لا یتابعه علیه الثقات قلت قال الحاکم روی عن محمد بن عمرة حماد بن سلمة احادیث منکرة منها حدیث من کرامة المؤمن علی الله ان یغفر لمشیعیه قال وهذا عندی موضوع ولیس العمل فیه الا علیه وقال الحاکم ابو احمد ذاهب الحدیث وقال ابو نعیم الاصبهانی لا شیٔ۔ اور دوسرا راوی عبدالملک بن عبداللہ بن عبدالولید بھی مجہول الحال ہے کتب متداولہ میں اس کا حال مذکور نہیں۔

الحاصل اوّل تو ایک ایسے عامۃ الورود واقعہ میں تمام صحابہ کرام کا سکوت اور صرف ایک حدیث مرسل کا اس میں مذکور ہونا ہی علامت قویہ روایت کے غیر ثابت و غیر معتبر ہونے کی ہے۔

ثانیاً روایت مرسل ہے، ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب واضع حدیث ہے۔ جس سے اگر حدیث کو موضوع کہہ دیا جائے تو بعید نہیں۔ اور بعض حضرات نے جو سایہ نہ ہونے پہ اس سے استدلال کیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے قرآن میں نور فرمایا ہے یا آپ اپنی دعاؤں میں اجعلنی نوراً فرمایا کرتے تھے سو یہ استدلال بالکل ناقابل التفات ہے ظاہر ہے کہ آیت میں نیز حدیث دعامیں نور ہونے سے یہ کسی کے نزدیک مراد نہیں کہ عالم عناصر کی کیفیات و آثار آپ میں نہ تھے یا آپ کی دعا خواہش یہ تھی کہ عالم عناصر کے آثار مخصوصہ سے علیحدہ ہو کر معاذ اللہ ہوا کی طرح غیری ہو جائیں بلکہ باتفاق عقلاً و علماء

مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعہ ہدایت و بصیرت ہے اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ ہدایت ہیں اور چونکہ نبی کا انتہائی کمال اسی میں ہے کہ شان نبوت و ہدایت درجہ کمال میں ہو اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دُعاؤں میں اس کا کمال طلب فرماتے تھے اور اسی معنی کی بنا پر قرآن کو اور تورات کو بعض قرآن نور کہا گیا ہے۔ اسی معنے سے صحابہ کرامؓ کو نجوم ہدایت فرمایا گیا ہے علاوہ بریں یہ دُعا اجعلنی نورًا تو تمام اُمت کو تلقین فرمائی گئی ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی باقی نہیں رہتی۔

بعض حضرات نے سایہ نہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے سر مبارک پر فرشتے یا ابر رحمت سایہ افگن رہتا تھا۔ اگر یہ ثابت ہو بھی تو دوسری صحیح و صریح روایات اس کے معارض موجود ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی حدیث میں دربارہ ہجرت بروایت حضرت عائشہؓ مذکور ہے۔

"ابا بکر قام للناس وجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صامتا فطفق من جاء من الانصار ممن لم یر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحیی ابا بکر حتی اصابت الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابو بکر حتی ظلل علیہ بردائہ فعرف الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذالک کذا فی المواہب وقال الزرقانی فی شرح المواہب وعند بن عقبۃ عن الزہری فطفق من جاء من الانصار یحسبہ ایاہ حتی اصابتہ الشمس اقبل ابو بکر بشئ اظلہ بہ شرح المواہب للزرقانی جلد اول ص۳۵ ومثلہ یروی تظلیلہ علیہ السلام فی حجۃ الوداع وھو مشہور ومذکور فی عامۃ الکتب۔"

اس لیے یا تو سایہ نہ ہونے کی حدیث کو بمقابلہ ان روایات کے غیر ثابت قرار دیا جائے اور یا یہ کہا جائے کہ پہلے ایسا ہو گا۔ بعد میں یہ صورت نہ رہی قسطلانی نے مواہب میں اسی صورت کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حدیث ہجرت مذکور الصدر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

فظاهر هذا انه عليه الصلوة والسلام كانت الشمس تصيبه وما تقدم من تظليل الغمام والملائكة له كان قبل بعثته كما هو صريح في موضعه زرقانی ص۳۵۱ ج ۱۔ فقط

(ترجمہ از احقر محمد رفیع عثمانی) یعنی ظاہر یہ بات ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دھوپ پڑتی تھی اور آپ کے لیے بادل و ملائکہ سایہ افگن ہونے کے جو جو واقعات ہیں وہ نبوت ملنے سے پہلے کے ہیں۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

سوال:۔ ۱۔ عرس کے لغوی معنی کیا ہیں اور اصطلاح شرح میں عرس کی کیا تعریف ہے۔ قرون ثلثہ میں اس کا وجود تھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو یہ کب سے ہوا۔

۲۔ آجکل ہند و بنگال کے چند مواضع مثلاً اجمیر، بریلی اور چاٹگام وغیرہ میں ایک تاریخ معین میں کوئی شاہ صاحب کسی مزار پر سجادہ نشین ہو کر بیٹھتے ہیں اور ان کے مریدین و معتقدین کا جم غفیر ہوتا ہے اور مزار پر عمدہ سے عمدہ

بیش قیمت غلاف چڑھایا جاتا ہے اور یہ اوپر شامیانے لگا کے جاتے ہیں اور مزار پر چراغاں کیا جاتا ہے اور مزار کے گرد لوگ اس مردہ کی شان میں مضمون نعتیہ گاتے ہیں اور ناچتے کودتے ہیں یہ امور جائز ہیں یا نہیں، اس صورت کے ساتھ عرس کرنے والے اور اس میں شریک ہونے والے بدعتی ہیں یا نہیں؟

۳۔ چند پیر یہاں پر ایسے بھی ہیں جو اپنے مریدوں سے سجدہ کراتے ہیں بس اس قسم کے حکم کرنیوالے اور اس کے عاملین مرتد اور بے دین ہیں یا نہیں اور بعض پیر گو زبان سے حکم نہیں کرتے لیکن مریدین انہیں سجدہ کرتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتے پس ایسے پیر کے لیے کیا حکم ہے کیا یہ لوگ حسب فرمان نبوی ؐ الساکت عن الحق کشیطان الاخرس۔ کے شیطان نہیں ہیں۔ اور یہ مرتکب معصیت کبیرہ ہیں یا نہیں اور بعض اپنے مریدوں کو منع کرتے ہیں لیکن مرید نہیں مانتے اور سجدہ کرتے ہیں اس وقت کبھی منع کرتے ہیں اور کبھی دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن پھر بھی عرس بند نہیں کرتے کہ جس سے اس شرک و بدعت کا قلع قمع ہو جائے۔ بلکہ عرس کو باعث ثواب سمجھتے ہیں ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے پھر یہ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں کیا کروں لوگ سجدہ کرتے ہیں منع کرتا ہوں وہ نہیں مانتے میں معذور ہوں

۴۔ پیر کی کیا تعریف ہے مرتکب امور بالا کو پیر بنانا اور اس کا معتقد ہونا جائز ہے یا نہیں؟

۵۔ سجدہ بغیر اللہ مطلقاً حرام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے بعض لوگ سجدہ تحیۃ کو جائز کہتے ہیں اور وہ یہ جاہل پیر لوگ ہیں کیا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ کوئی ان میں فتوی تیمیہ کا حوالہ بھی دیتا ہے اور کوئی فتح القدیر کا آیا وہ عبارات صحیح

ہیں یا نہیں؟

۶۔ بدعت کی تعریف اور تقسیم مع حوالہ کتب تحریر فرماتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایئے کہ کون سی بدعت معصیت ہے اور کون سی نہیں اور عُرس اگر بدعت ہو تو عُرس کرنیوالے کو بدعتی کہیں گے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی، نیز عُرس کے بدعت ہونے پر بھی اگر کوئی شخص اسے نہ چھوڑے بلکہ اس پر مداومت اور اصرار کرے اور اسے جائز اور قابل ثواب کرنے کے لیے کوشش کرے تو ایسا شخص مُصر علی المعصیت ہے یا نہیں اور اصرار علی المعصیۃ عمداً اور باعث ثواب سمجھ کر کرنا کیسا ہے؟

۷۔ جن بدبودار چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کی گئی ہے اور وہ شخص مسجد میں بسبب اس اختیاری کے نہ آئے اور جماعت میں شامل نہ ہو لیکن نیت جماعت کی رکھے تو جماعت کا ثواب اسے ملے گا یا نہیں۔ اور جو لوگ اضطراراً معذور ہوں انجر اور اذفر ہوں تو آیا ان کے لیے بھی لا یقربن مسجدنا کا حکم ہوگا اور ان کیلئے بھی ممانعت ہو تو انہیں بنا بر نیت حضوری جماعت کے جماعت کا ثواب مل گیا یا نہیں؟

الجواب: عُرس بضم اول و بفتحتین لغت عرب میں طعام ولیمہ کو نیز نکاح کو کہا جاتا ہے کما صرح بہ القاموس آج کل ہمارے دیار میں جس کو لوگ عُرس کہتے ہیں یعنی کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر سالانہ ان کی قبر پر اجتماع اور میلہ قائم کرنا، یہ فعل بھی بدعت مستحدثہ ہے اور یہ نام بھی اس کے لیے مستحدث ہے۔ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کیا قرون مابعد میں بھی صدیوں تک اس کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ بہت آخر زمانہ میں ایجاد ہوا ہے مشہور یہ ہے کہ جسطرح اور تمام بدعات کی اصل ابتداءً بُری نہ تھی،

بعد میں لوگوں کی تعدی نے اسکو گناہ اور بدعت بنا دیا اسی طرح اس میں بھی ابتدائی واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سالانہ غیر معین تاریخوں میں پیران کلیر حضرت مخدوم صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوتے تھے اس کی خبر سُن کر آپ کے مرید بھی آنے لگے پھر لوگوں نے اس خیال سے کہ حضرت شیخ کے ساتھ حاضرین کے شائقین کو دشواری ہوتی ہے کوئی دن معین کر دیا یہاں تک بھی منکرات کا ہجوم نہ تھا۔ پھر بعد میں جہلا و متبدعین نے اس کو اس حد تک طول دے دیا کہ سینکڑوں محرمات اور افعال شرک و کُفر کا تماشہ گاہ ہو گیا اور پھر یہ رسم سب جگہ چل پڑی اب مسئلہ عُرس میں دو حیثیت قابل بیان ہیں اول نفس عُرس خالی از دیگر منکرات دوسرے مع بدعات و منکرات مروّجہ۔

سوامر اوّل کا جواب تو یہ ہے کہ اتفاقی طور پر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر بلا تعین تاریخ و بلا اہتمام خاص کے اگر ہمیشہ سالانہ بھی جایا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحب بلکہ سُنت ہے بشرطیکہ منکرات مروّجہ وہاں نہ ہوں

لما اخرج ابن جریر عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اس قسم کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں۔

که روز عرس برائے آنست که آں روز مذکور
انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والاجر
روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است

از مجموعہ فتاوی صفحہ ۹، ج ۳

لیکن کسی معین تاریخ کو ضروری سمجھنا یا ایسا عمل کرنا جس سے دیکھنے والوں کو ضروری معلوم ہو اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کی صورت پیدا ہو یہ ایک بدعت سیئہ ہے جن کا اصول اسلام میں کہیں نام نہیں۔

امر دوم یعنی عُرس مصطلح مع منکرات مروجہ جو لوازم عُرس سے سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ ایک تو فی نفسہٖ بدعت اور پھر اس میں بہت سے مشرکانہ افعال اور بدعات اور امور قبیحہ کا ارتکاب لازم آتا ہے اس لیے بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ چراغ جلانا جو بنصِ حدیث حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ)

۲۔ چادر وغیرہ چڑھانا جس کی حدیث صریح میں مخالفت ہے۔ (بخاری)

۳۔ ان کے نام کی نذر و منت ماننا جو مطلقاً حرام ہے۔

قال فی البحر الرائق الاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل بہ الذمۃ وانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ۔

۴۔ پھر اس نذر کی مٹھائی وغیرہ کو تبرک سمجھ کر کھانا اور تقسیم کرنا۔ حالانکہ اس کا حرام ہونا اوپر کی عبارت بحر سے معلوم ہو گیا اس لئے اس کے حلال و تبرک سمجھنے میں تو اندیشہ کفر کا ہے۔ والعیاذ باللہ

۵۔ راگ باجہ وغیرہ جس کی مذمت و ممانعت پر احادیث کثیرہ صراحۃً وارد ہوئی ہیں، تفسیر روح المعانی میں آیت لہو الحدیث کے ذیل میں تعداد کثیر ان روایات کی جمع کی گئی ہے فلیراجع نیز شیخ ابن حجر مکی کا رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع بھی اس موضوع میں کافی و شافی ہے

خود صوفیائے کرام کی ایک جماعت کثیرہ نے بھی اسکو ناجائز فرمایا ہے ملاحظہ ہو رسالہ حقوق السماع لحکیم الامۃ مولانا التھانوی مدظلہ،

۶۔ فاحشہ عورتوں کا گانا اور اجتماع جو بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے،

۷۔ عام عورتوں کا قبروں پر جمع ہونا جس پر حدیث میں ارشاد ہے۔
لعن اللہ زوارات القبور۔

۸۔ قبروں کے مجاورین کا بیٹھنا جس کی ممانعت حدیث و فقہ کی معتبر کتب میں منصوص ہے۔

۹۔ قبر کا طواف کرنا جو قطعاً حرام ہے ملا علی قاریؒ شرح مناسک باب زیارت روضۃ القدس میں فرماتے ہیں ولا یطوف ای ولا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الاولیاء انتہیٰ۔

۱۰۔ سجدہ کرنا جو بقصد عبادت ہو کفر صریح ہے اور بلا قصد عبادت انتہائی درجہ کا گناہ کبیرہ ہے کما سیاتی تفصیلہ اگر تتبع کیا جائے تو اس قسم کے سینکڑوں گناہوں کا مجموعہ ان اعراس میں مشاہد ہو جائے گا وفی ذالک کفایۃ لمن اراد الھدایۃ اسی لیے جس وقت سے اس قسم کے عرس کا رواج ہوا ہے اسی وقت سے علماء امت بلکہ خود صوفیائے کرام جو محقق ہوئے ہیں اس سے منع کرتے رہے ہیں حضرت قاضی ثناء پانی پتیؒ جو علاوہ علوم ظاہر کے ماہر و علامہ ہونے کے خاندان نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلفاء میں سے ہیں ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں،

"قبور اولیاء بلند کردن و گنبد بر آں ساختن و عرس و امثال آں چراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام و بعض مکروہ پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان را لعنت گفتہ"

اور بریقہ شرح طریقہ محمدیہ صفحہ ۲۲ ج ۱ میں ہے۔
واقبح البدع عشرۃ وعد منہا طعام المیّت وایقاد الشموع علی المقابر والبناء علی القبر وتزیینہ والبیتوتۃ عندہ والتغنی والسماع واتخاذ الطعام للرقص واجتماع النساء لزیارۃ القبور ...... الخ اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی مسائل اربعین میں فرماتے ہیں۔

" مقرر ساختن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری۔ می نویسد لا یجوز مایفعلہ الجہال بقبور الاولیاءٌ والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السراج والمساجد الیہا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد وتسمونہ عرسًا اصول کی بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی مالم یکن یومئذٍ دینا لا یکون الیوم دینا اس لئے جس عبادت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں اصل نہ ہو وہ عبادت نہیں گمراہی ہے رسالہ قیشریہ میں اکابر اہل طریق کے بہت اقوال اس کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔ فلیراجع ثمہ ومثلہ فی مفتاح السنۃ للسیوطی ص ۵

۲- تفصیل مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والے بدعتی اور سخت گناہ گار ہیں۔

۳- غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو تو کُفر صریح اور ارتداد محض ہے (نعوذ باللہ منہ) اور اگر بہ نیت عبادت نہ ہو بلکہ قصد تعظیم معروف ہو تو ارتداد و کُفر تو نہیں لیکن سخت تر گناہ اور قریب شرک کے ہے کذا قال ابن حجر المکی فی الاعلام بقواطع الاسلام علی

هامش الزواجر۔ ص۳۲ ج ۳۔

وفی المواقف وشرح صدق بما جاء به النبی صلی الله علیه وسلم ومع ذالک سجد للشمس کان غیر مومن بالاجماع لان سجوده لها یدل بظاهره انه لیس بمصدق ونحن نحکم بالظاهر فکذالک حکمنا بعدم ایمانه لان عدم السجود لغیر الله داخل فی حقیقة الایمان حتی لو علم انه لم یسجد لها علی سبیل التعظیم واعتقاد الالوهیة بل سجد لها وقلبه مطمئن بالایمان لم یحکم بکفره فیما بینه وبین الله تعالیٰ وان اجری علیه حکم الکافر فی الظاهر انتهی ثم قال نقلاً عن الروضة ولیس من هذا ما یفعله کثیر من الجهلة الظالمین من السجود بین یدی المشائخ فان ذالک حرام قطعاً بکل حال سواء کان للقبلة او بغیرها وسواء قصد السجود لله او غفل وفی بعض صورة ما یقتضی الکفر عافانا الله تعالی من ذالک انتهی۔ ففهم انه قد یکون کفراً بان قصد به عبادة مخلوق او التقرب الیه وقد یکون حراماً ان قصد به تعظیمه او الخ۔

یہی مضمون حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی نے مائۃ مسائل کے مسئلہ ۲۲ میں ذکر فرمایا ہے اور حلبی نے شرح منیہ میں کہا ہے حتیٰ لو سجد لغیر الله یکفر

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا انتہائی درجہ کا سخت گناہ ہے اور جو پیر اپنے سامنے اس گناہ کو جاری رکھتے ہیں اگرچہ امر نہ کریں البتہ شریک گناہ ہیں، اگر بالفرض لوگ اس کا کہنا نہیں مانتے تو یہ پیر ہی کس کام کا ہے کم از کم اس کو ان سے علیحدہ ہو جانا فرض ہے۔

الغرض ایسے پیروں سے بیعت کرنا حرام ہے جو حدود شرعیہ کی پروا نہ کرتے ہوں جیسا کہ امام غزالی کی اپنی اکثر تصنیفات میں اور رسالہ قشیریہ عوارف المعارف وغیرہ میں خود آئمہ تصوف کے اقوال سے اسکو ثابت کیا گیا ہے۔

۴ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں پیر یعنی شیخ کامل کی چند شرائط لکھی ہیں، جو شخص ان شرائط کے ساتھ موصوف نہ ہو اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا چاہیئے بالخصوص جو شخص مرتکب امور مذکورہ فی السوال ہو اور معاصی کا مرتکب ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا حرام ہے۔

وذالك كله ظاهر

۵ سجدہ کے متعلق تفصیل سے جو نمبر ۳ میں مذکور ہو چکی اتنی بات بالاجمال ہے کہ غیر کو سجدہ کرنا حرام ضرور ہے کفر ہونے میں تفصیل ہے حرمت میں کوئی تفصیل نہیں، فتح القدیر کیطرف اباحت کو منسوب کرنا غلط محض ہے

۶ بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ عادت ہو یا عبادت، جن لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسمیں کی ہیں، سیئہ اور حسنہ جن فقہا کے کلام میں بعض بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے وہ اسی معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہیں ورنہ درحقیقت بدعت نہیں اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرن صحابہ و تابعین کے بعد ہوا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو نہ قولاً نہ فعلاً نہ صراحتہً نہ اشارۃً،

هذا ملخص ما في الطريقة المحمدية وهو اجمع ما رأيت من تعريف البدعة وان اردت التفصيل فراجعه۔

(بريقة شرح الطريقة ص۱۳۶ ج ۱)۔

پھر بدعت میں درجات ہیں بعض مکروہ کے درجہ میں ہیں بعض حرام۔
بعض شرک اور مُصر علی البدعۃ بہر حال فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ
تحریمی ہے۔ کمافی الدر المختار وغیرہ وخلف مبتدع۔ الخ۔

۷۔ جب ان چیزوں کا ترک اس کے اختیار میں ہے اور ترک نہیں کرتا بلکہ
جماعت کو ترک کر دیتا ہے تو خواہ نیت ہو یا نہ ہو ثواب جماعت نہ ہوگا البتہ
جو معذور ہوں جیسے انجرواذفر وغیرہ ان کے لئے بھی مناسب ہے کہ
جماعت میں شریک نہ ہوں تاکہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے۔ ایسے لوگوں کو
انشاءاللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب گھر بیٹھے مل جائیگا۔ کما صرح بہ الفقہأ
والتفصیل فی رسالتی آداب المساجد۔

بندہ محمد شفیع غفرلہ ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ

سوال ۲۔ مسجد میں درگاہ ہے، درگاہ پر روزانہ اور جمعرات کو روشنی کے لئے
تیل وغیرہ کا انتظام مسجد کی آمدنی سے اور اہل محلہ کیطرف سے ہوتا ہے صرف
درگاہ کے لئے تیل اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ تمام درگاہ کی روشنی
میں خرچ نہیں ہو سکتا اگر باقی ماندہ تیل کو امام مسجد اپنے ذاتی مصارف کتب
بینی وغیرہ میں استعمال کرے تو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے
لعن اللہ زائرات القبور والمتخذین علیھا السراج، اس لیے جو
تیل درگاہ کی روشنی کے لیے دیا جاتا ہے اُس کو اصل مزار پر جلانا نہ چاہیئے
البتہ اگر مزار کے متعلق حجرے ہوں یا راستہ پر روشنی کی ضرورت ہو وہاں جلایا
جا سکتا ہے اسی طرح حجرہ امام اگر متعلقات درگاہ میں ہو تو اسمیں بھی جلا سکتے ہیں۔
ہو جائے کہ یہ تیل بطور نذر مزار پر چڑھایا ہے تو کسی جگہ بھی اسکا استعمال

جائز نہیں کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے جس کی نذر کی گئی ہو۔

صرح بہ فی البحر الرائق من کتاب النذر۔ فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہ، ۲۹، ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

سوال۳ :۔ جب کہ مسجد کے اندر حسب ضرورت کافی روشنی ہوتی ہے اور درگاہ کی روشنی کوئی فائدہ نہیں رکھتی روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں نیز جمعرات کے دن جو ختم درگاہ پر ہوتا ہے اس میں شرکت کرنیوالا کیا حکم رکھتا ہے۔

الجواب :۔ قبر پر چراغ جلانا حرام ہے کما مر اور ختم قرآن میں اگر دوسری بدعات نہ ہوں تو شرکت میں مضائقہ نہیں، لیکن پھر بھی ترک اولیٰ ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ بالفعل بدعات نہ ہوں رفتہ رفتہ بدعات سے بھی آگے تجاوز کر جاتی ہیں۔ فقط بندہ محمد شفیع غفرلہ،

سوال۴ :۔ بزرگان دین کے صدہا مزار ہیں جن کی فاتحہ خوانی جائز و ناجائز دونوں طرح ہو رہی ہے، فاتحہ خوانی کے لئے مزاروں پر حاضر ہونے کو واجب اور فرض سمجھنا کیسا ہے۔ ایصال ثواب ہر جگہ سے ہو سکتا ہے یا مزاروں پر جانا ضروری ہے نیز اس طریقہ سے دعا کرنا کہ یا حضرت آپ اللہ دوست ہیں اور اس کے مقبول بندے ہیں آپ خدا سے میرے لئے دعا کیجئے کہ خدا مجھے مقصد میں کامیاب کرے یہ دعا جائز ہے یا نہیں ؟ مزاروں پر عرس ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنا جائز ہے؟

الجواب :۔ ایصال ثواب کے لیے قبر پر جانے کی ضرورت نہیں ہر جگہ سے پہنچتا ہے۔ البتہ قبر پر جانے سے دوسرے فوائد ہیں، عامہ مومنین کی قبر پر جانے سے عبرت اور اعزاء واقرباء کی قبروں پر عبرت کے ساتھ

ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبروں پر اس کے ساتھ برکات بھی، دعا میں صاحب قبر کو خطاب نہ کرنا چاہیئے بلکہ یوں دعا کرے تو مضائقہ نہیں کہ یا اللہ فلاں مقبول بندے کے طفیل سے ہمارا کام کر دے۔

سوال۵:- زید سنتا ہے کہ فلاں بزرگ کی درگاہ نہایت عالیشان ہے اسکو سن کر وہ سفر طے کر کے درگاہ کے دیکھنے کو جاتا ہے۔ یہ جانا کیسا ہے؟

الجواب:- اگر وہاں بدعات ومنکرات میں مبتلا نہ ہو جائے تو جائز ہے،

سوال۶:- زید کہتا ہے اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بزرگ کی درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا،

اور وہاں بنام خدا نیاز کروں گا یہ کیسا ہے۔ اگر زید کا کام حسب منشاء ہو جائے تو چادر چڑھانا اس پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- چادر قبر پر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے اور نذر اس کی کرنا دوسرا گناہ ہے اور یہ نذر صحیح بھی نہیں ہوتی۔

سوال۷:- مولود شریف جو مروجہ طریقہ سے ہوتا ہے کیا حکم رکھتا ہے۔ مولود میں قیام جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:- ناجائز ہے اور اگر بدعات وتعینات مروجہ سے خالی ہو تو جائز ہے۔

سوال۸:- شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں ایصال ثواب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- ایصال ثواب جائز ہے بشرطیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ کرے

سوال۹:- بزرگوں کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا مزاروں

پر بھیجا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں۔ اگر مکان میں فاتحہ دلا کر ایصال ثواب کر دیا جائے تو کیا ثواب کم ہوتا ہے جیسے اکثر لوگوں کا مقولہ ہے کہ نیاز قبول نہیں ہو سکتی جب تک مزاروں پر نہ بھیجی جائے۔

الجواب: مزاروں پر بھیجنا فضول اور لایعنی حرکت ہے ہر جگہ سے ایصال ثواب ہو سکتا ہے۔

سوال۱۲: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فاتحہ خوانی جو عشرہ محرم میں ہوتی ہے اس کے لیے کیا حکم ہے نیز ان کا ذکر شہادت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: ایصال ثواب یا ذکر شہادت کے لئے عشرہ محرم کی تخصیص لغو اور بدعت ہے۔

بلا تعین کبھی کسی وقت کرے تو جائز اور ثواب عظیم ہے۔

فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہ، ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ

(تمت)